رباعیاتِ انیسؔ

حیات لیلی

رباعیاتِ انیس

مرتبہ

علی جواد زیدی

ترقیِ اردو بیورو، نئی دہلی

Rubaiyat - e - Anis
By: Ali Jawad Zaidi

سنہ اشاعت : اکتوبر 1985ء
© ترقی اردو بیورو نئی دہلی
پہلا ادیشن : 1000
قیمت : 35/00
سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو : 512

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا ہے جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیر نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ علمی حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائریکٹر ترقی اُردو بیورو

فہرست

رباعیات انیس

ز

س

غ

ف

ک

ل

ن

واو

ضمیمہ الف

(ب)

(ج)

حرفِ آغاز

زندہ قوموں کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے گزشتہ اربابِ کمال کو فراموش نہیں کرتیں اوران کی یاد مناسب طریقوں سے تازہ کرتی رہتی ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم کی اس جماعت نے جس کی زبان اُردو ہے "انیس صدی" یعنی اُردو مرثیہ گویوں کے سرتاج میر انیسؔ کی صدسالہ برسی بڑے اہتمام سے مناکر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میر انیسؔ اُردو کے چوٹی کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ نے فرمایا ہے کہ انیسؔ کے مرثیے اور غالبؔ کی غزلیں عالمی ادب کو اُردو کی دین ہیں۔ میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں کے ذریعے اُردو شاعری کو سوز و گداز اور اخلاقی بلندی عطا کی ہے۔ انھوں نے مرثیے کو اتنی وسعت دی کہ وہ جذبات نگاری، منظر کشی، رزمیہ، ڈراما سبھی کا گلدستہ اور فکر و فن کا ایک جلوۂ صد رنگ بن گیا۔

میر انیسؔ کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں مرکزی انیس صدی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا مقصد تھا کہ میر انیسؔ جیسے عظیم شاعر کی وفات کی صدی اُن کے شایانِ شان منائی جائے۔

کمیٹی کے پیش نظر حسبِ ذیل کام تھے:

(۱) انیسؔ کے مرثیوں کے نئے ایڈیشن شائع کرنا۔

(۲) منتخب مراثی کو مع مقدمے اور ضروری تشریحات کے دیوناگری رسم الخط میں شائع کرنا۔

(۳) میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ کلام کو جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ مختلف کتب خانوں یا گھرانوں میں محفوظ چلا آرہا ہے، حاصل کرنا اور مکمّل تحقیق کے بعد شائع کرنا۔

(۴) دہلی اور دیگر شہروں میں انیسؔ، ان کے کلام اور عہد کے متعلّق سیمنار اور سمپوزیم منعقد کرنا اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے انیسؔ کے متعلّق تقریریں اور فیچر نشر کرانا۔

(۵) محکمۂ ڈاک و تار سے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کرانا۔

(۶) مزارِ انیسؔ کی مرمّت و درستگی۔

(۷) انیسؔ کے مکان کو خرید کر اس کی مرمّت کرانا اور منہدم حصّے کو نئے سرے سے تعمیر کرانا۔

مندرجہ بالا امور میں سے مرکزی انیس صدی کمیٹی اب تک حسب ذیل کام انجام دے چکی ہے۔

انیس صدی تقریبات کا آغاز ایک سیمنار سے ۲۲ اپریل ۱۹۷۵ء کو صدر جمہوریہ ہند عالی جناب فخر الدین علی احمد کے ہاتھوں سے ایوانِ غالب، نئی دہلی میں ہوا۔ اور جناب پروفیسر نور الحسن سابق وزیرِ تعلیم حکومتِ ہند نے اس کی صدارت فرمائی۔ اس دو دن کے سیمنار میں ہندوستان کے ممتاز ادیبوں اور ناقدوں نے میر انیسؔ کے کلام اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

۷ مارچ ۱۹۷۶ء کو انیس صدی کمیٹی نے ہند و پاک انیس صدی سمپوزیم کا غالب اکیڈمی میں انعقاد کیا۔ سمپوزیم کا افتتاح پروفیسر نور الحسن صاحب نے فرمایا۔ انھیں کے ہاتھوں انیس صدی سلسلے کی پہلی مطبوعہ کتاب "مہاکوی انیس" (مرتبہ بیگم صالحہ عابد حسین) کی رسمِ اجرا عمل میں آئی جسے بھارتیہ گیان پیٹھ نے دیوناگری میں شائع کیا ہے۔ یہ دونوں علمی اجتماع زیرِ اہتمام پروفیسر گوپی چند نارنگ، کو شعبۂ اردو جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے اشتراک و تعاون سے نہایت وسیع پیمانے پر منعقد ہوئے۔ ہند و پاک سمپوزیم میں جناب رشید الدین سابق ڈائرکٹر جنرل ریڈیو پاکستان نے شرکت کی اور اپنی تقریر میں انیسؔ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اور جناب انتظار حسین جو پاکستان سے مدعو کیے گئے تھے بوجوہ نہ آسکے لیکن انھوں نے

اپنے مقالے بھجوائے جو پڑھے گئے۔ سمپوزیم کے دو اجلاس ہوئے جن میں ملک کے متعدد ادیبوں اور نقادوں نے مقالے پڑھے۔ یہ تمام مقالے مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ "انیس شناسی" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

حکومتِ ہند کے محکمۂ ڈاک و تار نے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے انیس کے بارے میں مختلف پروگرام پیش کیے۔ کمیٹی کا سب سے اہم کام انیس کے کلام کی اشاعت ہے جس کے لیے ہمیں حکومتِ ہند اور ترقی اردو بورڈ کا تعاون حاصل ہے۔ اس سلسلے میں پہلی دو کتابیں مراثی انیس کا نمائندہ انتخاب تھیں۔ پہلی جلد "انیس کے مرثیے" کے نام سے مع مقدمہ، دیباچہ، فرہنگ وغیرہ کے شائع ہو چکی ہے۔ دوسری جلد پریس میں ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گی۔ انیس کے غیر مطبوعہ مراثی کو جمع اور مرتب کرنے کا کام جو پہلے نائب حسین نقوی مرحوم کر رہے تھے اب جناب شہاب سرمدی کے سپرد کیا گیا ہے جو نہایت تلاش اور جستجو سے اس کام کو لگن کے ساتھ کر رہے ہیں۔ حیاتِ انیس کا کام اب جناب ڈاکٹر نیر مسعود نے اپنے ذمہ لیا ہے اور امید ہے کہ جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے گا۔ انیس کے مزار اور مکان کے سلسلے میں لکھنؤ انیس صدی کمیٹی نے کافی پیش رفت کی ہے اور امید ہے کہ وہ کام بھی چند سال میں مکمل ہو جائے گا۔

میر انیس کے کلام کا ایک اہم جزو ان کے سلام اور رباعیاں ہیں۔ رباعیاں ہند و پاک میں پہلے بھی کئی بار شائع ہو چکی ہیں۔ انیس صدی کمیٹی نے انیس کے سلاموں اور رباعیوں کی جمع آوری اور تصحیح کی ذمہ داری جناب علی جواد زیدی نے لی تھی۔ مسرت ہے کہ یہ کام بصد خوبی مکمل ہو گیا ہے۔ اور زیدی صاحب کے پُر مغز مقدمے کے ساتھ یہ رباعیاں شائع کی جا رہی ہیں۔ انیس جہاں مرثیے کے بادشاہ ہیں وہاں ان کی رباعیاں بھی اپنا جواب آپ ہیں۔ انیس کی رباعیوں کی اہمیت اور خوبی کا اندازہ انھیں پڑھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ ان میں رباعی کی ساری خصوصیات اور خوبیاں جمع ہو گئی ہیں اور وہ اپنے اندر ایسا اثر اور دلکشی رکھتی ہیں جو صرف ان کا حصہ ہے۔

ترقی اردو بیورو کے اشتراک سے ہم انیس کی یہ مختصر مگر اہم کتاب پیش کر رہے ہیں جس کی مجھے امید ہے کہ انیس کے مداحوں اور قدر دانوں میں خاطر خواہ پذیرائی کی جائے گی۔

میں اپنے ان تمام کرم فرماؤں اور اداروں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی امداد،

رہنمائی اور مشوروں سے ہمارا کام آگے بڑھا۔ عالی جناب فخر الدین علی احمد مرحوم کے ارشادات سے انیس صدی کمیٹی کا کام شروع ہوا۔ پروفیسر نور الحسن صاحب نے ہماری مدد اور ہمت افزائی کی۔ جناب نواب علی یاور جنگ مرحوم سابق گورنر مہاراشٹر نے ہمارے کام میں گہری دلچسپی لی۔ نظام ٹرسٹ نے انیس کے غیر مطبوعہ مرثیوں کی تلاش و اشاعت کے لیے پچاس ہزار کی گرانقدر رقم عنایت کی۔ ہز ہائی نس ڈاکٹر سیدنا محمد برہان الدین اور جناب مصطفیٰ رشید شیروانی کی بروقت مالی امداد سے ہم اپنا کام شروع کر سکے۔ ترقیِ اردو بورڈ اور اس کے چیرمین ڈاکٹر عبدالعلیم مرحوم کے ہم حد درجہ شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری کمیٹی کی تیار کرائی ہوئی انیس یادگاری کتابوں کی طباعت اور اشاعت کی ذمّہ داری لے کر ہمارا کام بہت ہلکا کر دیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ موجودہ وائس چیرمین صاحب بھی اس میں اتنی ہی گہری دلچسپی لیتے رہیں گے۔ اور ہماری کتابیں پوری شان اور صحت کے ساتھ جلد شائع ہوں گی۔ میں حکومتِ ہند، محکمۂ ڈاک و تار اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی معاونت اور اشتراک کا بھی دل سے اعتراف کرتا ہوں اور بھارتیہ گیان پیٹھ کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے ہماری سب سے پہلی کتاب دیوناگری میں شائع کی۔

بشیر حسین زیدی

صدر مرکزی انیس صدی کمیٹی

مقدّمہ

عام طور سے رباعی ایک ضمنی یا طفیلی صنفِ سخن رہی ہے۔ جن شعرا نے بیشتر دوسرے اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے انھوں نے کچھ رباعیاں بھی کہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس صنف کے خصوصیات اور اسرار و غوامض کے بارے میں کم ہی لکھا گیا ہے۔ لیکن کیا باعتبارِ ہیئت اور کیا باعتبارِ مواد، یہ خصوصی صنف ہر طرح توجّہ کی مستحق ہے۔ فارسی میں ابو سعید، خیام، سحابی، سعدی، افضل کاشانی اور سرمد اور اُردو میں درد، سودا، حسرت، انیس اور دبیر جیسے رباعی گو شعرا کی موجودگی کا تقاضا یہ ہے کہ اس صنف پر جم کر کام کیا جائے۔ چند رباعیوں کے مجموعوں کے مقدمات یا بعض تذکروں اور تاریخوں کے سرسری بیانات کے علاوہ، ہمارے تنقیدی سرمائے میں کیا ہے جسے رباعی کے بھرپور جائزے کا نام دیا جا سکے۔ فرمان فتح پوری اور سلام سندیلوی نے رباعیوں کی عروضی ہیئت اور ارتقائی تاریخ پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے لیکن ادبی تجزیے اور صنف کی فنّی تنقید کا کام ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے۔

اس مجموعے کے مقدمے میں رباعی کی تاریخ کھنگالنے کا محل نہیں ہے لیکن پس منظر کو سمجھنے کے لیے چند اشارے ضروری ہوں گے۔ اُردو کے دوسرے اصنافِ سخن کی طرح یہ صنف بھی اصلاً بیرونی ہے۔ اس کا براہِ راست علاقہ ایران سے ہے لیکن اس سے ملتی جلتی صنف خود ہندوستان میں بھی موجود تھی۔ سنسکرت کے "چارچرن" ہندی کی "چوپائی" اور پشتو کی "چار بیتیہ" کا بنیادی ڈھانچہ، چند اختلافات کے باوجود، رباعی سے قریبی مماثلت رکھتا ہے۔ ان میں سنسکرت کے "چارچرن" یقیناً رباعی سے قدیم تر بھی ہیں۔ اگر ان دو آریائی اصناف کے خاندانی رشتے کو ذہن میں

رکھا جائے تو یہ مماثلت زیادہ معنی خیز بھی ہوسکتی ہے۔ ویسے انگریزی 'کواٹرین' بھی ملتی جلتی صنف ہے، لیکن ان مماثلتوں کو زیادہ دُور تک گھسیٹا نہیں جا سکتا، کیونکہ عروضی ہیئت میں مصرعوں کی تعداد اور قوافی و ردیف کو ہی نہیں بلکہ بحر کو بھی بڑا دخل ہے۔ یہ سب مل کر ہی ہیئت کا اجتماعی آہنگ مقرّر کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے فارسی اور اُردو رباعیاں اپنا مستقل اور منفرد وجود رکھتی ہیں۔

رباعی کے عربی نام کی وجہ سے بعض ارباب نے دھوکا کھا کر اس کی ابتدا کا فخر اہلِ عرب کو سونپنا چاہا ہے، لیکن قدیم عربی ادب میں رباعی گویوں کا سُراغ نہیں ملتا، بلکہ ڈاکٹر محمد وحید مرزا کے قول کے مطابق خود عربی میں رباعی "دو بیتی" کے نام سے موسوم ہوئی۔" اس کا یہ فارسی نام اس بات کی غمّازی کرتا ہے کہ یہ ایرانی الاصل شعراء ہی کی جدّتِ طبع اور قوتِ اختراع کا نتیجہ تھی[۱]۔" جن صاحبانِ نظر سے اس سلسلے میں تسامح ہوا، ان میں علّامہ سلیمان ندوی جیسے ژرف نگاہ بھی ہیں۔ انھوں نے رباعی کا منبع عربی کے اشعارِ معقّد کو قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ فارسی میں اشعارِ معقّد[۲] کا رواج نہ تھا۔ پروفیسر محمود شیرانی ایران میں بھی اشعارِ معقّدہ کے رواج کے دعویدار ہوئے اور انھوں نے علّامہ ندوی سے اختلاف کیا۔ اس حد تک پروفیسر شیرانی کا ایراد یقیناً صحیح ہے کہ رباعی اصلاً عجمی ہے، عربی نہیں ہے۔

ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری، پروفیسر تہران یونیورسٹی نے اپنی تصنیف "وزنِ شعر فارسی" میں کئی مقامات پر اس کی تشریح کی ہے کہ وزنِ رباعی دراصل وزنِ 'ترانہ' پر مبنی ہے جو عربوں کی آمد سے قبل ایران میں رائج تھی اور اب بھی دیہاتوں اور دُور دراز

۱؎ اُردو رباعیات: ب۔ ا

۲؎ اشعارِ معقّد میں ایک لفظ کے ٹکڑوں کو توڑ کر دو مصرعوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ مصرعِ اوّل مصرعِ دوم سے لفظی اور معنوی طور پر وابستہ ہوتا ہے۔ جب تک دوسرا مصرع پڑھا نہ جائے، بات ناتمام رہتی ہے، اس لیے کئی موقعوں پر دونوں مصرعوں کو مثمن کی طرح ملا کر پڑھنا پڑتا ہے۔ مثمنات کی دریافت کے بعد اوزانِ مربّع کا رواج ختم ہوگیا اور اشعارِ معقّدہ بھی غائب ہو گئے۔ (تنقید شعر العجم (ضمیمہ): ۵۵۴)

علاقوں میں اس وزن کے اشعار عام زبانوں پر جاری ہیں۔ اس کتاب کے سلسلۂ شانزدہم[1] میں انھوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ رودکی یا کسی دوسرے شاعر نے ایک بچے کی زبان سے ایک مصرع سن کر اسی بحر میں چار اور مصرعے لکھے اور بعد میں عروضیوں نے زحافات کا سہارا لے کر بحرِ ہزج سے اس کا استخراج کیا اور اس کا نام رباعی رکھا۔ خانلری کا قول ہے کہ مقامی بولیوں میں بہت سے اشعار اس بحر میں پائے جاتے ہیں اور کوئی شخص واحد اس کا بانی نہیں ہے۔ مصنّف نے اس کا بھی دعویٰ کیا ہے کہ عربی میں اس وزن کا وجود نہیں ہے اور عربوں نے اسے ایرانیوں سے سیکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس بحر میں چوبیس اختیارات ہیں۔ ان کو عروضیوں نے ایجاد نہیں کیا ہے بلکہ مُدّتوں سے عوام کی زبانوں پر جاری و ساری تھے۔ اسی وجہ سے خانلری بحرِ ترانہ کو ایک مستقل بحر قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے اس کے تغیّرات اور منشعبات سے الگ بحث کی ہے۔ خانلری نے یہ بھی بحث اُٹھائی ہے کہ اگر رباعی کا رواج عربوں میں پہلے سے ہوتا تو ان کے پاس اس کے مطابق وزن بھی پہلے سے موجود ہوتا اور انھیں زحافات و علل کا سہارا لے کر بحرِ ہزج سے ان اوزان کا استخراج نہ کرنا پڑتا۔ خانلری ان وجوہ سے رباعی کی ایک الگ بحر فرض کرتے ہیں اور اسے "بحرِ ترانہ" کا نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں "عربی میں ایسے وزن تھے ہی نہیں۔ عربوں نے بعد میں ایرانیوں سے سیکھا"[2]

خود ایران میں رباعی کی ابتدا کب ہوئی؟ اس کا جواب بھی ابھی محققین کو دینا ہے۔ اس کے بارے میں دو ملتی جلتی روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ 'المعجم' کی روایت ہے کہ عید کے دن رودکی نے چند لڑکوں کو سرِ راہ جوز بازی[3] کرتے دیکھا۔ ایک خوبصورت لڑکے نے سب جوزیں گچّی میں ڈال دیں۔ ایک جو بچ رہی تھی وہ بھی لڑھکتی ہوئی گچّی کی طرف چلی حسین لڑکا خوشی میں بول اُٹھا ع غلطاں غلطاں ہمی رود تا سرِ گو۔ رودکی کو یہ وزن پسند آیا

---

[1] وزن شعر فارسی: ۲۱۶ - ۲۱۴۔

[2] تحقیق انتقادی در عروض فارسی و چگونگی تحوّل آوزانِ غزل: ۱۰۶ - ۱۰۴۔

[3] ایک کھیل جس میں لڑکے جوز (گولی یا اخروٹ)، اس طرح پھینکتے ہیں کہ وہ براہ راست یا لڑھکتی ہوئی گچّی میں چلی جائے۔

اور اسی وزن میں تین اور مصرعے لگاکر رباعی پوری کی۔ پھر دوسرے شعراء نے بھی اسی کو اختیار کیا[1]۔ اس کے برعکس دولت شاہ کی روایت کے مطابق امیر یعقوب بن لیث صفار (م ۲۶۵ھ) کے بچّے کی زبان پر جوز کھیلتے وقت یہ مصرع جوشِ مسرّت میں رواں ہوگیا تھا ع غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گو۔ امیر یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور اس نے فوراً دو شاعروں، ابو دلف عجلی اور ابن الکعب کو اس کی تقطیع کا حکم دیا۔ انھوں نے اسے بحرِ ہزج کی شاخ بتایا اور اُسی وقت تین اور ہم وزن مصرعے نظم کیے اور رباعی پوری کر دی[2]۔ جزوی اتحادِ مضمون کے باوجود ان روایتوں میں باہمی اختلاف ہے۔ اگر یہ اختلاف نہ بھی ہوتا تو بھی یہ روایتیں روایتیں ہی رہتیں اور انھیں تاریخ کا مرتبہ نہ مل پاتا۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ یہ صنف اور یہ بحر پہلے سے ایران میں رائج تھی۔ پہلی رباعی اور اس بحر کے مخترع نہ ابو دلف عجلی تھے نہ رودکی۔ اس صنف کا نام بھی شروع سے رباعی نہ تھا۔ شروع میں دو بیتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ صنف 'دوبیتی' کہلائی۔ بعضوں نے چار مصرعوں کو علیحدہ علیحدہ بیت مانا اور اس کا نام 'چار بیتی' اور 'رباعی' قرار پایا۔ چونکہ اربابِ موسیقی نے اس پر اچھے اچھے راگ بنائے اس لیے اس کو ترانہ کا نام بھی دیا گیا، بلکہ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس کا قدیم نام 'ترانہ' ہی ہے۔ محمد بن قیس رازی نے لکھا ہے کہ موسیقی کے صنعت گروں نے رباعی کی مناسبت سے اچھی دُھنیں بنائیں اور جب اس نہج پر لکھے ہوئے فارسی اشعار گائے جانے لگے تو شعروں کو 'قول' کہنے لگے (جیسے ہندی گانے میں الفاظ کو 'بول' کہتے ہیں) اور دُھنوں کا نام ترانہ پڑ گیا[3]۔ یہ صنف اور دُھنیں بچّوں، عورتوں اور لطیف طبع مردوں میں بہت مقبول ہوئیں۔ اس طبقے کو ان ترانوں (رباعیوں) سے بڑا لطف حاصل ہوتا تھا[4]۔ پروفیسر شیخ محمد اقبال کا خیال ہے کہ یہ نام تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں پڑا[5]۔ پروفیسر محمود شیرانی

۱؎ المعجم فی معاییر اشعار العجم (قلمی)؛ بحوالہ اُردو رباعیات، از سلام سندیلوی: ۳۹ - ۳۸۔
۲؎ تذکرۃ الشعرای دولت شاہ سمرقندی: ۳۷۳۔
۳؎ المعجم فی معاییر اشعار العجم: ۹۰۔
۴؎ قابوس نامہ، از امیر کیکاؤس: بیان مغنیاگری
۵؎ تلوک چند محروم: ۲۴۔

کی بھی یہی تحقیق ہے کہ رباعی کے اوزان ایرانی زا اور مقامی ہیں۔ پہلے چاروں مصرعوں میں قافیے کا لانا ضروری تھا۔ متاخّرین نے وزنِ مربّع کو مثمّن کر دیا اور اس طرح پُرانی چار بیتیں دو نئی بیتوں میں بدل گئیں اور اس کا نام 'دو بیتی' اور پھر رباعی قرار پایا۔

اس کے دوسرے نام چہار مصراعی، جُفتی اور خصّی بھی بتائے جاتے ہیں، لیکن خصّی رباعی کا ایک اور نام نہیں بلکہ ایک قسم ہے۔ اگر چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں تو رباعی مصرّع کہلاتی اور اگر صرف پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوں اور تیسرا مصرع مختلف ہو تو اُسے خصّی یا ناقص کہتے ہیں۔ ابتدائی دَور میں مصرّع رباعیوں کا رواج تھا اور عنصری اور فرّخی کے یہاں اس کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ بعد میں خصّی یا ناقص رباعیوں ہی نے قبولِ عام پایا۔ فارسی اور اُردو دونوں ہی زبانوں کی بیشتر رباعیاں مصرّع ہیں۔

عروضیوں نے رباعی کے چوبیس اوزان مقرّر کر دیے ہیں جو سب کے سب بحرِ ہزج سے مخصوص ہیں۔ اس کی دو شاخیں — ہزج اخرم اور ہزج اخرب — ہوتی ہیں[1]۔ ان

---

[1] مفعولن مفعولن مفعولن فاع
" " " فع
" " مفعولن فعول
" " " فعل
" مفعول مفاعیلن فاع
" " " فع
" " مفاعیل فعول
" " " فعل
" فاعلن مفاعیلن فاع
" " " فع
" " مفاعیل فعول
مفعولن فاعلن مفاعیل فعل
مفعول مفاعیلن مفعول فعول

مفعول مفاعیلن مفعول فعل
" " مفعولن فاع
" " مفعول قع
" مفاعلن مفاعیل فعول
" " " فعل
" " مفاعیلن فاع
" " " فع
" مفاعیلن " فاع
" مفاعیل مفاعیل فعول
مفعول مفاعیل مفاعیل فعل
مفعول مفاعیل مفاعیل فع

اوّل الذکر بارہ دائرہ اخرم میں اور باقی دائرہ اخرب میں ہیں۔

میں بھی شجرۂ اخرب کے اوزان، شجرۂ اخرم سے سبک ہیں اسی لیے اردو اور فارسی میں یہ زیادہ مقبول ہیں۔ ان دونوں شجروں یا دائروں کے اوزان ایک دوسرے سے منسلک کیے جا سکتے ہیں اور رباعی کے چار مصرعے اِن میں سے کسی ایک وزن میں لکھے جا سکتے ہیں "بحر الفصاحت" کے اعتبار سے (اس آزادی کے باعث) کم سے کم بیاسی ہزار نو سَو چوالیس شکلیں پیدا ہوتی ہیں، جن کے اوزان اور ترتیبِ مصاریع میں فرق ہوگا۔ سحر عشق آبادی نے یہ گوشہ نکالا ہے کہ اگر رباعی کے حشو دوم میں رُکن مکفوف کی جگہ، مقبوض رکھ دیا جائے تو رباعی کے بارہ نئے اوزان حاصل ہو سکتے ہیں[۵۱]۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اوزانِ رباعی چوبیس سے بڑھ کر چھتّیس ہو جائیں گے اور پھر اشکالِ عروضی کی مجموعی تعداد بھی بڑھ کر ایک لاکھ چوبیس ہزار چار سَو سولہ ہو جائے گی۔ سحر عشق آبادی کے اوزان کے بارے میں اتنا تو بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ یہ رواں نہیں ہیں۔ رباعی کے صوتی آہنگ اور اردو کے عروضی مزاج پر یہ اضافہ بار ہوگا اور اسے قبولِ عام ملنا تقریباً ناممکن ہے۔ رباعی کے اشکالِ عروضی کی کثرت کی وجہ سے رباعی کی پابندیوں کے باوجود اس میں بڑی لچک آگئی ہے۔ پھر بھی اس کے اوزان کے بارے میں بڑے بڑے اساتذہ مثلاً غالب تک کو سہو ہو گیا ہے۔ "مفعول مفاعلن فعولن فعلن" کو رباعی کا بنیادی وزن سمجھنا ایسا واضح تسامح تھا جس پر نجم الغنی نے بھی ٹوکا اور یاس عظیم آبادی نے بھی۔ یاس نے صاف کہا کہ رباعی میں "فعولن فعلن" آ ہی نہیں سکتا[۵۲]۔ عروضی الجھنوں کو سلجھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رباعی کا ابتدائی ٹکڑا "مفعولن" یا "مفعول" ہوگا اور آخری ٹکڑا "فاع"، "فع"، "فعول" یا "فعل" ہوگا۔ باقی درمیانی ارکان "مفاعلن"، "مفاعیلن"، "مفاعیل"، "فاعلن"،

---

۵۱ مفعول مفاعیل مفاعلن فعل
〃 〃 〃 فعول
مفعول مفاعلین فاعلن فعول
〃 〃 〃 فعل
مفعولن مفعول مفاعلن فعل
〃 〃 〃 فعول

مفعولن مفعولن فاعلن فعول
فعل
مفعول مفاعلن مفاعلن فعل
فعول
مفعولن فاعلن مفاعلن فعل
فعول

۵۲ چراغ سخن (۱۹۲۱ء) لکھنؤ: ۷۷۔

یا مفعولن' میں سے کوئی دو ہوں گے۔ محمد عبّاسی نے ع لاحول ولاقوۃ الّا باللہ کو رباعی کا خاص وزن قرار دینے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ جو اس وزن پر نہ ہو گی وہ رباعی نہ ہو گی۔[۱] یہ صحیح نہیں ہے۔ 'لاحول ولاقوۃ الّا باللہ' بھی رباعی کا ایک وزن ہے۔ اس کے علاوہ رباعی کے دوسرے اوزان بھی ہیں۔ مقرّرہ اوزان اور اس کے فروعات میں سے کسی ایک وزن میں ہو تو رباعی ورنہ چار مصرعوں کی پابندی کے باوجود قطعہ ہو جائے گا۔

ان عروضی اشکال کے علاوہ ایک شکل رباعی مستزاد کی بھی ہے۔ اس میں دو ارکان بڑھا دیے جاتے ہیں۔ مثلاً ؎

لوٹی سے میں دنیا کی، کہا یوں جاکر — سُن اے بیدرد!
اب ایک کی ہو رہ نہ پھر اکر گھر گھر — تیں صورت نرد
بولی کہ جو کوئی مرد ہے سو تو مجھ کو — رکھتا ہی نہیں
باندھی ہے جنھوں نے میرے رکھنے پہ کمر — سو ہیں نامرد

(مرزا رفیع سوّدا)

ایک اور شکل جو اُردو والوں سے مخصوص ہے' وہ دُہرہ بند رباعی ہے۔ اس میں رباعی کو ہندی، برج یا کسی اور علاقائی زبان کے دوہے سے پیوند کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ہے ؎

گر آنکھ ملاؤں تو دکھاتا ہے وہ آنکھ
دُزدیدہ نگاہوں سے چُراتا ہے وہ آنکھ
چتون میں کہے ہے مجھ سے، کچھ رکھیو نہ چشم
جوں جوں مری دوستی کی پاتا ہے وہ آنکھ
دیکھ رُکھائی یار کی بھچک رہی یوں ہائے
جیسے دُکھی غریب کو بید جواب سُنائے

(جرأت دہلوی)

اگر غور کیا جائے تو یہ انحرافات ضمنی ہیں اور رباعی ہر حال میں مقرّرہ عروضی سانچوں ہی کی پابند رہتی ہے۔ مستزاد اور دُہرہ بند رباعیاں شاذ ہی نظم ہوئی ہیں اور غیر مقبول

[۱] رباعیاتِ میر انیس : ۸۔

ایجادات و انحرافات کے زمرے میں آتی ہیں۔

اکثر چہار مصراعی قطعات کو بھی غلطی سے رباعی کہہ دیا جاتا ہے۔ چونکہ قطعے میں مقطعے کا ہونا نامناسب ہے اس لیے اگر پہلا شعر مطلع ہو تو بعض اصحاب ایسے قطعوں کو بھی رباعی کہہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ تفریق کے لیے انھیں دو بیتی کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ زیرِ نظر مجموعے میں بھی آپ کو دو ایک دو بیتیاں ملیں گی جنھیں کلامِ انیس کے سابق مرتبین نے رباعی کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان کی شمولیت ان کے رباعی ہونے کی بنا پر نہیں ہے۔ میں نے انھیں صرف اس لیے شاملِ مجموعہ کر لیا ہے کہ انیس کی دو بیتیوں کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہے اور رباعیوں کے اس مجموعے کے علاوہ ان کی گنجائش کہیں اور نہیں نکل سکتی تھی۔ ان چند دو بیتیوں کو بلکہ اس قسم کی ہر دو بیتی کو رباعی کی بحث سے خارج سمجھنا چاہیے۔ یہ دھوکا مولفینِ رباعیاتِ انیس ہی کو نہیں ہوا ہے بلکہ اقبال، اکبر، ذوق، سرمد، مونس وغیرہ کے کلام کے سلسلے میں بھی ہو چکا ہے۔ پھر بھی قطعے اور رباعی کا فرق اپنی جگہ پر ہے اور اس کو مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔

رباعی کے اوزان عجمیوں نے عربی بحروں کے زحافات کی مدد سے متعین کیے لیکن اس وزنِ قدیم کا عجمی ڈھانچہ کن بنیادوں پر قائم تھا، اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اس کا جواب ڈھونڈنے کے لیے ہمیں "پنگل" کی مدد لینا پڑے گی۔ "پنگل" کو سنسکرت والوں نے وضع کیا اور اوزان کی بنیاد حرکات پر رکھی گئی۔ یہ حرکات ماترائی ہو سکتی ہیں اور لسانی اجزاء پر مشتمل (ورن ورت) بھی۔ اجزائی (ورنی) حرکات سے بھی کم کام لیا جاتا ہے لیکن ہندی عروض بیشتر ماترائی ہے۔ ماترائی حرکات طویل (گرو یا دیرگھ) بھی ہو سکتی ہیں اور خفیف (لگھو یا ہرسو) بھی۔ خفیف حرکت کی ایک ماترا اور طویل کی دو ماترائیں مانی گئیں۔ اس طرح پورے مصرعے کی ماترائیں گن لی جاتی ہیں اور ماتراؤں کی تعداد سے بحروں کی شناخت ہو جاتی ہے۔ صرف تھوڑی سی بحروں میں خفیف یا طویل ماترا کے مقام کا تعین ہوتا ہے[۱] ورنہ اگر ماترائیں پوری ہوں تو خفیف و

---

[۱] یہ آٹھ ہیں: فگن، نگن، بھگن، یگن، جگن، رگن، سگن اور تگن۔

طویل حرکات کی تبدیلی سے عروضی نظام میں فرق نہیں آتا[۱]۔ اس طرح رباعی کے مقررہ اوزان کو بیس اوزان میں محدود کر دینے سے کام چل جائے گا۔ صرف تھوڑے ہی مقامات ہوں گے جہاں پنگل کے قواعد ساتھ نہ دیں گے۔ ان باتوں کو ذہن میں رکھا جائے تو اس سوال کا جواب مل جائے گا کہ ترانہ و رباعی کے اوزان کو عربی عروض کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے قدیم عروضیوں کو اتنی دشواریاں کیوں پیش آئیں۔ جیسے انگریزی کا نظامِ عروضی یا نظامِ موسیقی مختلف ہے ویسے ہی عربی کا نظامِ عروضی و موسیقی بھی ہے۔ ہر زبان کا نظامِ اصوات مختلف ہوتا ہے اور عروض و موسیقی دونوں کا مدار نظامِ اصوات پر ہے۔ عربی سامی النسل ہے اور فارسی اردو کی طرح آریائی۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی کے ترانوی بحور عربی عروض کے سانچے میں بدشواری اور پنگل میں بآسانی ڈھل جاتے ہیں۔ آخر سنسکرت اور فارسی بہنیں ہی تو ہیں! پنگل کی بیس ماتراؤں کے اصول کو اختیار کرنے سے بھی سبھی الجھنیں دور نہ ہوں گی لیکن بہت سی آسانیاں ضرور پیدا ہو جائیں گی۔

---

[۱] ہندی اور سنسکرت میں ہر حرف کے ساتھ (اگر وہ ہلنت یا ساکن نہ ہو) فتحہ یعنی زبر کی خفیف حرکت وابستہ کر دی گئی ہے۔ سنسکرت میں تو یہ بات چل جاتی ہے لیکن اردو اور بول چال کی ہندی میں دقت یوں پیش آتی ہے کہ آخری حرف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔ مثلاً 'سمان'۔ اب بول چال کے اعتبار سے نون ساکن ہے اور ساکن کو ماترا نہیں گنا جاتا۔ اس طرح سمان میں کُل تین ماترائیں ہوئیں لیکن چونکہ سنسکرت میں 'سمان' کا نون بعلامتِ فتحہ ہے اس لیے یہ 'ن' بھی ایک ماترا شمار ہوگا اور 'سمان' میں چار ماترائیں مانی جائیں گی۔ اس کے برعکس 'مہمان' میں نون ہلنت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میں تین ہی ماترائیں ہوں گی اور صوتی اعتبار سے یکسانیت نہ رہے گی۔ ایسی شکل میں اردو عروض کے اعتبار سے مصرع ناموزوں ہو جائے گا کیونکہ وہاں ماتراؤں کی تعداد نہیں بلکہ صوتی یکسانیت ضروری ہے۔ اسی طرح متحرک اور ساکن کی ترتیب بدلنے سے جو صوتی نظام بدلتا ہے، اس کا لحاظ نہ کرنے سے بھی الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً 'نرم' اور 'خبر' دونوں ہی میں ماتراؤں کی تعداد یکساں ہے لیکن متحرک حروف کی جگہ بدل جانے سے اردو میں وزن مختلف ہو جائے گا، ہندی میں نہیں۔

وزن رباعی کے سلسلے میں غالب نے جو ٹھوکر کھائی تھی اس کا حوالہ دیتے ہوئے سید حیدر علی نظم طباطبائی نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ”اُردو لکھنے والوں کو پنگل کے اوزان میں کہنا چاہیے جو زبانِ ہندی کے اوزانِ طبعی ہیں۔“[1] عظمت اللہ خاں نے پنگل کے طریقوں کو اپنانے کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ ”سُریلے بول“ میں انھیں برت کر دکھا دیا۔[2] دتا تریہ کیفی اور عبدالحق نے بھی اُردو کے لیے ہندی عروض کو مرجع قرار دیا۔[3] صرف حامد حسن قادری نے پنگل کی سرے سے مخالفت کی اور عربی عروض سے بدستور وابستہ رہنے پر زور دیا۔[4] اس میں شک نہیں کہ پنگل ہندی، اُردو اور فارسی کے صوتی مزاج سے قریب تر ہے لیکن اُردو اور فارسی کا سابقہ عربی عروض سے بھی قریبی رہا ہے اور ترتیبِ حرکات کے سلسلے میں عروضِ عربی کا استحکام و انضباط بھی ان زبانوں کی شاعری کا جزو بن چکا ہے۔ اس لیے ہم اگر پنگل کو بنیاد بنا کر عروض کے قواعد سے استفادہ کریں تو سہل تر عروضی پیمانے وضع ہو سکیں گے اور کم از کم رباعی کی حد تک بہت سی عروضی مشکلیں اور اُلجھنیں ہی حل نہیں ہو جائیں گی بلکہ مناسب الخرافات کے لیے راہیں بھی کھل جائیں گی۔ اس مقام پر یہ تنبیہہ ضروری ہے کہ یہ کام کم ہمتوں کا نہیں ہے اسے صرف اربابِ نظر ہی بہ حُسن و خوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ طے کر لینے کے بعد بھی کہ رباعی کی اصل ایرانی اور نظامِ اوزان بڑی حد تک آریائی ہے اور اس میں سامی عناصر نسبتاً بہت کم ہیں۔ یہ سوال رہ جاتا ہے کہ خود ایران میں پہلا رباعی گو شاعر کون تھا۔ اس کی طرف سطورِ بالا میں چند روایتوں کا بیان ہو چکا ہے۔ بعض مورخینِ ادب نے رودکی کو فارسی کا پہلا شاعر قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن اس کی جو رباعیاں نقل کی گئی ہیں وہ شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہیں۔ ”مجمع الفصحا“، ”المعجم“، ”شعر العجم“ وغیرہ میں جو رباعیاں درج کی

---

[1] شرح دیوانِ غالب: ۳۶۲

[2] سُریلے بول: ۵۹ دیباچہ

[3] ”اُردو“ جنوری ۱۹۲۲ء و جنوری ۱۹۲۳ء

[4] نقد و نظر: ۱۰۷

گئی ہیں۔ ان کی زبان کو اہلِ تحقیق عہدِ رودکی کی زبان سے مختلف پاتے ہیں۔ ابو شکور بلخی رودکی کا ہم عصر تھا۔ اس کی رباعی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ رباعی یہ ہے ؎

اے گشتہ من از غمِ فراوانِ تو پست
شُد قامتِ من ز دردِ ہجرانِ تو شست
اے شستہ من از فریب دستانِ تو دست
خود ہیچ کسے بسیرت و شانِ تو ہست

حنظلہ بادغیسی یقیناً قدیم تر ہے۔ اس کے ان دو اشعار کو سیّد سلیمان ندوی نے رباعی قرار دیا ہے ؎

یارم سپند اگرچہ بر آتش ہمی فگند
از بہرِ چشم تا نہ رسد مر ورا گزند
او را سپند و آتش نا ید ہمی بکار
با روے ہمچو آتش و با خال چوں سپند

علامہ شبلی نے اس کو رباعی تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کیونکہ یہ رباعی کے مسلمہ اوزان میں نہیں ہے۔ اسی طرح باباطاہر عریاں ہمدانی نے رباعیوں کا ایک پورا مجموعہ چھوڑا ہے۔ یہ رباعیاں قصبہ رے کی دیہاتی زبان میں ہیں، لیکن ہزج اخرب یا ہزج اخرم میں نہیں بلکہ ہزج مسدس (مفاعیلن مفاعیلن مفعولن) میں ہیں۔ ان کو بھی رباعیوں کی گفتگو میں عروض کی عدم پابندی کی وجہ سے حلقۂ بیرونِ در قرار دیا جاتا ہے۔ عروضیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے خواجہ امام حسن قسطلان نے رباعی کے اوزان کو شجرۂ اخرب و اخرم میں جمع کر کے بیس اوزان بنائے۔ لیکن رباعی و ترانہ کی اصل بحرِ ہزج کی شاخوں میں ڈھونڈنا فضول ہے کیونکہ یہ اوزان ایران میں قبل اسلام سے موجود تھے۔ عروضیوں نے زحافات وغیرہ کی مدد سے انھیں بحرِ ہزج میں پرو دیا۔ خواجہ امام حسن قسطلان بابا طاہر کے بہت بعد کے ہیں۔ انھوں نے طاہر کی رباعیات کو وزن سازی کے وقت جان بوجھ کر نظر انداز کیا، کیونکہ وہ اوزانِ رباعی کو دو شجروں میں محدود کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اکثریت قسطلان کے ساتھ ہے لیکن ایسے ناقدین اور اربابِ تذکرہ بھی ہیں جو بابا طاہر کی دوبیتیوں کو رباعی سمجھتے ہیں۔ ان دوبیتیوں کی قدامت اور ان کے موسیقی سے لگاؤ کو

دیکھتے ہوئے، اور اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ کچھ لوگ انھیں رباعی مانتے بھی رہے ہیں، اگر دائرۂ اوزان میں مزید توسیع کرلی جائے اور ہزج مسدس مقصور و محذوف کو بھی حلقۂ رباعی میں شامل کرلیا جائے تو کوئی خاص مضائقہ نظر نہیں آتا۔ عروضی مسلّمات الہامی تو نہیں ہیں کہ ذرا سا انحراف بھی الحاد قرار پا جائے۔ لیکن جب انحراف کی گفتگو آئے گی تو یہ فیصلہ بھی کرنا ہوگا کہ کس نقطے پر پہنچ کر قطعہ و رباعی میں خطِّ فاصل قائم کیا جائے۔ میری ناچیز رائے میں اگر وزن کے اعتبار سے بہت زیادہ اجنبیت کا احساس نہ ہو اور دوبیتیوں میں رباعی اور ترانے کا اندرونی آہنگ موجود ہو تو کچھ لچک پیدا کر لینے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسی اندرونی آہنگ کی بنا پر غالبؔ نے دھوکا کھایا تھا۔ اگر اوزان کی مشابہت اتنی قریبی ہے کہ غالبؔ بھی دھوکا کھا سکیں تو ایسے اوزان کو دائرے میں شامل کرنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ ماترائی تقطیع بھی ایسی لچک کی حامی ہے۔

آہنگ رباعی کی بات کرتے ہوئے یہ سوال فطری طور سے ذہن میں آتا ہے کہ اس آہنگ کی تشکیل کن عناصر سے ہوتی ہے؟ سب سے پہلے تو اس کا صوتی آہنگ ہے جو سبک روی، معتدل وقوف اور متوازن اُتار چڑھاؤ سے ترکیب پاتا ہے۔ جوش و خروش یا ہیجانی کیفیت کی جگہ اس میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ کی کیفیت زیادہ ہے۔ اسی نرم و معتدل صوتی آہنگ کی وجہ سے یہ فکری، اصلاحی، اخلاقی اور عرفانی مضامین کے لیے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے۔ جو عشقیہ مضامین دائرۂ رباعی میں آتے ہیں ان پر بھی اس صوتی آہنگ نے وہی سنجیدگی، وقار اور ٹھہراؤ کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جدید اوزانِ رباعی کی تعیین میں یہی آہنگ مرکزی نقطہ ہونا چاہیے اور ہزج سے آہنگی مشابہت کو کافی سمجھنا چاہیے۔

رباعی کے فنّی آہنگ کا تصوّر بھی بعض قدما کے یہاں موجود تھا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ وحدتِ تاثّر پر زور دیا گیا۔ چاروں مصرعوں میں ایک ہی مضمون کا ہونا ضروری قرار پایا۔ اگر پہلے دو مصرعوں میں ایک اور دوسرے دو مصرعوں میں دوسرا مضمون ہو تو آہنگ کے اعتبار سے وہ غزل کے اشعار ہوں گے اور عروضی ہیئت کی پابندی کے باوجود رباعی کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے۔ مثلاً میرؔ نے رباعی کی وزن

میں جو غزل لکھی ہے اس کے یہ دو شعر لے لیجیے ؎

سب شرم جبینِ یار سے پانی ہے
ہر چند کہ گل شگفتہ پیشانی ہے
دوزخ میں ہوں جلتی جو رہی ہے چھاتی
دل سوختگی عذابِ روحانی ہے

رباعی کی وزن کے باوجود یہ رباعی نہیں کیونکہ چاروں مصرعوں میں ایک ہی خیال نہیں بلکہ دو دو مصرعوں میں الگ الگ دو خیال نظم ہوئے ہیں۔ یہ دو شعر عروضی ہیئت کی پابندی کے باوجود رباعی کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ رباعی کے چاروں مصرعوں کی ترتیب ایسی ہو کہ ایک ارتقائی تاثر پیدا کر سکے اور آخری یعنی چوتھا مصرع پوری رباعی کے مجموعی تاثر کا نقطۂ عروج ہو۔ اس پر رباعی کے زور اور حُسن کا انحصار ہے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے لیکن عموماً تیسرا مصرع عروضی ہیئت میں باقی مصرعوں سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ یہ دراصل نقطۂ عروج کی ابتدا ہے۔ یہ خیال کے بہاؤ میں ایک لمحاتی رُکاوٹ اور موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس موڑ سے عروج شروع ہو کر چوتھے مصرعے پر مُنتہی ہوتا ہے۔

ناقدین رباعی پر عروض کے سلسلے میں جو پابندی عائد کرتے ہیں عام طور سے ایسی پابندی کا مطالبہ مضمون و خیال کے بارے میں نہیں کیا جاتا۔ غزل، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ میں نسبتاً مضمون کی بھی پابندی کی جاتی ہے لیکن رباعی میں ایسی کسی پابندی پر اصرار نہیں کیا جاتا۔ سچ یہ ہے کہ شروع شروع میں اصناف کی تقسیم عروضی اور ہیئتی تھی، مضمون کی قید بعد میں ہوئی۔ مثلاً عربی قصیدہ اپنے دامن میں غزل، فخر، ہجو، مرثیہ، سبھی تو سمیٹے ہوئے تھا۔ بعد میں یہ موضوعاتی اصناف بن گئے۔ رباعی کا معاملہ ابھی تک کچھ بین بین کا ہے۔ موضوعات کی پابندی نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ فارسی اور اُردو کے شعراء نے ہر طرح کے خیال کو نظم کیا ہے لیکن امداد امام اثرؔ نے رباعی کے لیے حکیمانہ مضامین، کو ضروری قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"شاعر کو لازم ہے کہ مسائل اخلاق و تمدّن و معاشرت و مذہب و دیگر مضامینِ جلیلہ سے اپنے کلام کو زینت دے۔ اگر پست خیالی کی طرف

اس کے کلام کا میلان ہوگا تو اس کی رباعی بامراد تاثیر پیدا نہ کر سکے گی۔ جاننا چاہیے کہ جیسی عالی خیالی قطعہ نگاری کے لیے درکار ہے، اس صنف شاعری کو بھی اُسی قدر اس کی حاجت ہے، مگر فرق یہ ہے کہ قطعے میں گنجائشِ مضامین زیادہ ہے، اس لیے کہ قطعہ صرف چار مصرعوں تک محدود نہیں رہتا اور رباعی کو چار مصراع کے سوا چارہ نہیں۔ چونکہ یہ صنفِ شاعری عروضی ترکیب کی رُو سے بہت محدود صورت ہے، شاعر کو لازم ہے کہ منقّح مسائل کو اس طرح موزوں کرے کہ تھوڑے لفظوں سے بہت معنی پیدا ہوں اور چوتھا مصرع بہت پُر مضمون اور پُر زور ایسا ہو کہ گویا ہر سہ مصراعہائے سابق کا خلاصہ یا نتیجہ ہو۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس صنفِ شاعری کے لیے زیادہ تر داخلی مضامین کی حاجت ہے۔ مسائل اخلاق و تمدّن و معاش و معاد کے علاوہ عشقیہ مضامین بھی اس میں موزوں کیے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ایسے مضامین پست خیالی کے عیب سے پاک متصوّر ہوں[۱]"

اس طویل اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) مضامینِ جلیلہ متعلّقہ اخلاق و تمدّن و معاشرت و مذہب وغیرہ نظم ہوں اور پست خیالی نہ آنے پائے۔ (۲) منقّح مضامین ایجاز کے ساتھ بیان کیے جائیں۔ (۳) مصرعوں میں ارتقائی کیفیت ہو جو چوتھے مصرعے میں نقطۂ کمال و عروجِ اثر کو پہنچے اور (۴) زیادہ تر مضمون داخلی نظم کیے جائیں۔ ان میں شق نمبر ۳ پر پہلے ہی گفتگو کی جا چکی ہے۔ بقیہ شقوں پر گفتگو باقی ہے۔ ان میں بھی کلیدی الفاظ 'مضامینِ جلیلہ'، 'پست خیالی' اور 'منقّح مضامین' ہیں۔

مضمون کی جلالت دراصل 'پست خیالی' کے متضاد مفہوم کی حامل ہے۔ اثر کا مقصد یہ بھی ہے کہ اخلاق، تمدّن، معاشرت، مذہب بذاتہٖ جلیل مضامین ہیں لیکن تمدّن و معاشرت ایسے ہمہ گیر مفاہیم ہیں کہ شاید ہی کوئی مضمون ان کی گرفت سے بچ پائے گا۔ چونکہ جلالتِ مضمون کے ساتھ اثر نے 'پست خیالی' کا بھی استعمال کیا ہے اس لیے اخلاقیات وغیرہ کو بذاتہٖ جلیل سمجھنے کی بجائے اندازِ فکر و ادا سے

۱؎ کاشف الحقایق ۲ : ۲۷۵ - ۲۷۴۔

جلالت کو وابستہ کریں گے اور بلند خیالی کے مترادف قرار دیں گے۔ یعنی مذہب و اخلاق ہو یا تمدّن و معاشرت رباعی گو کو ان کے بلند اور مفادِ عامّہ یا آفاقی و انسانی اقدار سے وابستہ پہلوؤں سے سروکار رکھنا ہوگا اور پست خیالی اور خود غرضی وغیرہ سے دُور رہنا ہوگا۔ اگرچہ بعض شعراء نے مدح و ہجو کے لیے بھی رباعی کا پیکر استعمال کیا ہے۔ لیکن ایسی مدح و ہجو جو ذاتی ہے وہ کبھی رباعی کی روح کو چھو نہیں سکتی۔ ہاں اگر مدح اعتقادی اور نظریاتی ہو، تو اس کے آفاقی اور انسانی پہلو رباعی میں نظم کیے جانے کا جواز بن جاتے ہیں۔ امداد امام اثرؔ نے پست خیالی سے پاک رکھنے کی جو قید لگائی ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ ان کے ذہن میں پستی و بلندی کا ایک مذہبی اور اخلاقی معیار ہے۔ مذہب و اخلاق کے کچھ تو آفاقی اقدار ہوتے ہیں اور کچھ مقامی، علاقائی، قبائلی یا جغرافیائی اور تاریخی۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ معیار کُلّی بھی ہوسکتے ہیں اور اضافی بھی۔ اگر بیسویں صدی کے بعض معیاروں کو نظر میں رکھا جائے تو کل کی 'عالی خیالی' آج بعض حلقوں میں 'پست خیالی' بن چکی ہے۔ مثلاً کل کی شدید مگر پسندیدہ جذباتیت آج تقریباً بے محل تصوّر کی جانے لگی ہے۔ خیال کی پستی و بلندی کی گفتگو کرتے وقت اُس زمانے یا تاریخی ماحول کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

اثرؔ نے 'منقّح مسائل' کی بھی بات کی ہے۔ ان سے وہ مسائل مُراد ہیں جو شک و شُبہ سے بالا ہوں اور تقریباً عام طور سے تسلیم کر لیے جاتے ہوں یا جن تک ذہنِ عامّہ آسانی سے منتقل ہوسکتا ہے۔ گویا رباعی اصولی اور بُنیادی مسائل کے بیان کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اگر مضامین بُنیادی اور اصولی نہ بھی ہوں تو مسلّمہ یا تقریباً مسلّمہ تو ہوں۔ اِن مسائل کا تعلّق انسانی وارداتِ قلبیہ و ذہنیہ کے کسی پہلو سے بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن گُنجلک اور غیر منہضم خیالات کی گنجائش نہیں ہے۔ عام طور سے متشکّکانہ خیالات کی بھی رباعی میں اُس وقت تک گنجائش نہ ہوگی جب تک کہ یہ تشکیک فلسفیانہ یا نظریاتی پہلو اختیار نہ کرے۔ لفظ منقّح میں عیوب سے پاک ہونے کا تصوّر بھی پوشیدہ ہے۔

امداد امام اثرؔ نے اخلاق، تمدّن، معاش اور معاد کا ذکر بھی داخلی مضامین کے پہلو بہ پہلو کیا ہے اور پھر وہ مضامینِ جلیلہ وغیرہ کی بحث میں اُلجھ گئے ہیں۔ وہ کہنے کی بات کو کھل کر نہ کہہ پائے۔ بات یہ تھی کہ اگر آہنگ داخلی ہو تو اخلاق، تمدّن، معاش اور

معاد جیسے بظاہر خارجی مضامین بھی داخلی مضامین کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاش معاد کے مضامین بھی صنّاع کے ہاتھوں میں پہنچ کر وارداتِ قلبیہ میں منتقل ہو سکتے ہیں اور ان پر خارجیت کا لیبل نہیں لگانا چاہیے۔

قدما میں محمد بن قیسِ رازی نے کچھ ایسی لفظی اور معنوی خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو آہنگِ رباعی کی تشکیل سے تعلق رکھتی ہیں: ”چونکہ رباعی کی بُنیاد دو اشعار سے زیادہ پر نہیں ہے، یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس میں اجزاء کی ترکیب درست ہو، قافیے متمکّن ہوں، الفاظ عذب اور معنی لطیف ہوں اور کلماتِ حشو، مکرّر تجنیسوں اور ناخوشگوار تقدیم و تاخیر الفاظ (تعقید) سے پاک ہوں[1]۔“ جس داخلی آہنگ کی ہم ابھی بات کر رہے تھے اس کو بے جا صنّاعی، تعقید، حشو و زوائد، بندش کی سستی، لفظوں کے ثقل یا اجنبیت اور نامانوس پن اور دوسرے مسلّمہ عیوبِ شعری سے ٹھیس پہنچتی ہے۔ اس طرح تہذیبِ الفاظ، توازن، لطفِ بیان و معنی اور موضوع و مضمون کی آفاقیت اور ان کا شاعر اور سامع دونوں کی زندگی و ضمیر سے گہرا ربط رباعی کے آہنگ کے ضروری اجزاء بن جاتے ہیں۔ عابد علی عابد نے ’اصولِ انتقادِ ادبیات‘ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رباعی کو معانیِ لطیف و مطالبِ دقیق پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لیکن وہ رباعی میں تمام واردات و تجربات کے بیان کو ممنوع قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے لیے اور بہت سے پیمانہ ہائے ابلاغ و اظہار ہیں۔ ایسی رباعیات بکثرت ملیں گی جن میں کوئی مطلبِ دقیق نظم نہیں ہوا ہے۔ لطفِ معانی ہر رباعی میں کہاں حاصل ہوتا ہے۔ چند لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رباعی لطیف اور نازک مطالب، ہلکے پھلکے اندازِ بیان اور اجتماعی واردات و تجربات کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ شرط یہ بھی ہے کہ کہنے کا انداز ذاتی اور داخلی ہو۔

جوش ملیح آبادی خود بھی دورِ حاضر کے اچھے رباعی نگار ہیں۔ انھوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ”رباعی چالیس پچاس برس کی مشاقی کے بعد قابو میں آتی ہے۔“ انھوں نے تخلیقِ رباعی کی فنی مشکلات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”یوں تو اس دائرے میں بے شمار موضوعات کو جگہ دی جا سکتی ہے

---

[1] المعجم فی معاییر شعر العجم: ۳۸۸۔

لیکن درحقیقت اس صنف کی تخلیق اسی غرض سے ہوتی ہے کہ پختہ زندگی کے ژولیدہ و وسیع تجربات کو ہموار کر کے اور رسیدہ فکر کے عجیب و عمیق افکار کو ترتیب دے کر قلیل لیکن بے حد جگر دار الفاظ کی معرفت ایسے اُستادانہ اختصار اور حکیمانہ لہجے میں ادا کیا جائے کہ اُس کے آستانہ جمال پر تفصیل کا جلال سربسجود ہو جائے۔"[۵]

(۱) پختہ زندگی کے تجربات، (۲) عجیب و عمیق افکار، (۳) اُستادانہ اختصار اور (۴) حکیمانہ لہجہ —— اِن چاروں عناصر میں صفات کے علاوہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مثلاً زندگی 'پختہ' ہو، افکار 'عجیب و عمیق' ہوں، اختصار 'اُستادانہ' اور لہجہ 'حکیمانہ'۔ زندگی کی پختگی کے بغیر تجربوں میں وہ گھلاوٹ اور ہمہ گیری نہیں آتی کہ وہ حسِّ اجتماعی کی عکّاسی کر سکے یا ذاتی اُمید و محرومی کو آفاقی اور انسانی پیمانوں میں ڈھال سکے۔ گہرائی اور ندرتِ فکر بعض اوقات سطحی بھی ہوتی ہے۔ رباعی نہ تو بہت گہری فکر کی متحمّل ہے اور نہ بہت عجیب فکر کی۔ توجہّ مبذول کرنے اور فکر پر آمادہ کرنے کی صلاحیت رباعی میں نمایاں تبدیلی چاہتی ہے۔ لہجہ کہیں حکیمانہ ہوگا تو کہیں عارفانہ، کہیں راویانہ ہوگا تو کہیں مبصّرانہ۔ رہا اختصار تو غزل کے شعر میں بھی ہوتا ہے اور وہاں پختہ زندگی کے تجربات اور رسیدہ فکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر رباعی کو شعرِ غزل سے کیا چیز ممتاز کرتی ہے؟ میرے خیال میں رباعی میں خارجی اور داخلی آہنگوں کا امتزاج زیادہ نمایاں ہے۔ اگر موضوع خارجی داخلی آہنگ میں بیان ہوتا ہے تو موضوعِ داخلی میں بھی خارجی آہنگ کی آمیزش کر دی جاتی ہے۔ ایسا ہیئت کے تقاضوں کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ اس طرح وحدتِ تاثّر کے باوجود، غزل کے اشعار کے مقابلے میں، رباعی میں توسیعِ مطالب بھی زیادہ ہوتی ہے اور خصوصی کو عمومی بلکہ آفاقی بنانے کے مواقع بھی زیادہ ملتے ہیں۔ قطعے میں عام طور سے صرف مطلب کی توسیع ہوتی ہے لیکن آہنگ قصیدے یا مثنوی کا سا رہتا ہے۔ رباعی میں دو اشعار اور اوزان کی قید اور ایجاز و اتحادِ تاثّر سے ایک خصوصی آہنگ پیدا

---

[۵] رباعیاتِ محروم: اندرونی کور۔

ہو جاتا ہے اور یہی رباعی کو دوسرے اصناف سے ممتاز کرتا ہے۔ اس بنیادی آہنگ میں دوسرے اکتسابی خصائص بھی شامل کر لیے جاتے ہیں جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ جن شعراء نے اس فن کو پالیا ہے انھیں کا شمار اچھے رباعی گو شاعروں میں ہوتا ہے۔ یہی آہنگِ رباعی، اس صنف کو قصیدہ و مثنوی اور نظم و قطعہ تو کیا غزل سے بھی زیادہ نازک اور مشکل صنفِ سخن بنا دیتا ہے۔

مضامین کے انتخاب اور اسلوب کے تنوّع کی کہانی اُن تاریخی محرّکات کا تجزیہ کیے بغیر کہی نہیں جا سکتی جنھوں نے ان مضامین یا تنوّع کو جنم دیا۔ یہاں تاریخ کی ورق گردانی کرنے کا موقع نہیں تاہم رباعی کی تاریخ پر ایک چھچلتی سی نظر ہم پھر ڈالیں گے۔ شروع شروع میں یہ صنف عام پسند ترانہ تھی۔ اس قبولِ عام کی وجہ سے صوفیہ بھی اس صنف کی طرف متوجّہ ہوئے اور ان میں مسائلِ تصوف نظم ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ نعت و منقبت بھی اس کے دامن میں سمٹ آئے۔ اس کی شہرت سے متاثّر ہو کر 'خواص' بھی رباعی کی طرف متوجّہ ہونے لگے اور اسے درباری شعراء نے بھی اپنانا شروع کیا۔ ان کے میلان کا ایک اور سبب یہ تھا کہ رباعی بدیہہ گوئی کے لیے بے حد موزوں تھی اور درباری شعراء کو بدیہہ گوئی کے سلسلے میں اکثر محلِ امتحان میں آنا پڑتا تھا۔ فی البدیہہ کہی جانے والی رباعیوں پر کبھی کبھی زر و گوہر بھی برسے ہیں اور ان کی بدولت بہت سے تاریخی اور ثقافتی واقعات و کوائف محفوظ بھی رہ گئے ہیں جن سے اُس عہد کی تاریخ کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ معاملاتِ حُسن و عشق اور مدحِ شراب و غلمان کے مضامین خانقاہی اور درباری دونوں ہی اثرات کے ماتحت رباعی میں داخل ہوئے۔ ایران میں علومِ عقلی و حکمت کا بڑا زور تھا اس لیے ہلکے پُھلکے حکیمانہ اور اخلاقی مضامین بھی در آئے۔ درباری شعرا نے تعلّی، مفاخرت اور ہجو کے مضامین بھی رباعی میں شامل کیے۔ تاریخ و مدح میں بھی رباعیاں مل جاتی ہیں۔ تاریخی زیادہ اور مدحیہ کم۔ اس تنوّع مضامین کے باوجود رباعی کا نقطہ آہنگ داخلی اور حکیمانہ ہے۔ باقی رباعیاں بلندیوں کو چھو نہیں پاتیں۔

فارسی اور اُردو دونوں ہی زبانوں میں عشقیہ اور متصوفانہ رباعیاں کافی تعداد میں کہی گئی ہیں۔ ان کے داخلی آہنگ کی گہرائی اور گیرائی جاذبِ توجّہ ہے۔ بالخصوص

متصوّفانہ رباعیوں کا ذخیرہ گراں بہا ہے۔ فارسی میں متصوفانہ رباعیوں کی باقاعدہ ابتدا شیخ ابوالحسن خرقانی سے ہوئی ہے۔ کچھ رباعیاں 'مجمع الفصحا' اور 'آتش کدہ' میں موجود ہیں۔ باباطاہر جن کی دوبیتیوں کا ذکر پہلے آچکا ہے، ان کے ہم عصر تھے۔ بایزید بسطامی سے بھی متصوّفانہ رباعیاں منسوب ہیں لیکن یہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ سب سے بڑے رباعی گو شاعر ابوسعید ابی الخیر (م ۴۴۰ھ) ہیں۔ ان کا پرتو رومی، عطّار اور جامی تک کے یہاں نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں عشق و تصوّف اور اخلاق و مذہب و فلسفہ کے مضامین ملتے ہیں۔ رثائی رباعیوں کا ابتدائی نقش بھی ان کی مناجاتی رباعی میں مل جاتا ہے ؎

اے باد بخاکِ مصطفایت سوگند
باران بعلیؓ مرتضایت سوگند
افتاد بگر یہ خلق، بس کن بس کن
دریا بشہیدِ کربلایت سوگند

ان کی رباعیوں کے کئی ایڈیشن مغرب و مشرق میں شائع ہو چکے ہیں۔

فارسی رباعی گویوں میں سب سے زیادہ شہرت فلسفی شاعر عمر خیّام کو ملی۔ خیّام کی رباعیوں میں سرمستی، قلندری اور خود سپردگی کا آہنگ ان کی مقبولیت کا باعث بنا۔ ایک بڑی اکثریت نے خیّام کے یہاں عیش کوشی کی روایت بھی پائی۔ تعداد کے اعتبار سے ان کی رباعیاں زیادہ نہیں ہیں۔ کھینچ تان کے بھی ان کی تعداد تیرہ سو تک نہیں پہنچتی۔ ان کے مجموعوں میں کافی خلط ملط ہوا ہے اور مطبوعہ دواوین میں ایسا الحاقی کلام موجود ہے جو بابا افضل کاشانی اور عبداللہ انصاری کی ملکیت ہے۔ اس کے برعکس فریدالدین عطّار کثیر التصانیف تھے۔ انھوں نے تقریباً چھ ہزار رباعیاں کہی ہیں۔ جن میں سے پانچ ہزار ان کے انتخابی مجموعے "مختار نامہ" میں شامل ہیں۔ فارسی کے دوسرے مشہور رباعی گو سحابی، نجفی اور نظامی ہیں۔

جب اہلِ ہند نے ایرانی رباعی گویوں کے اتّباع میں رباعیاں کہنا شروع کیں تو انھوں نے فارسی ہی کے معتبر لہجے کو اپنایا۔ اگرچہ فارسی گویانِ ہند میں خسرو کے پایے کا بھی شاعر پیدا ہوا لیکن رباعی گوئی میں کوئی خیّام کے قریب بھی پہنچ نہ پایا۔ بہرحال خسرو، بوعلی قلندر اور سرمد کی رباعیاں قابلِ ذکر ہیں۔ موضوعات سب کے سب فارسی ہی سے

مستعار ہیں۔ خسرو نے چند رباعیاں صفتِ پسرانِ پیشہ وراں میں لکھی ہیں۔ ان میں ضلع جگت کی کیفیت ہے۔ مثلاً ؎

حجّام پسر بخوبی و رعنائی — دی آئنہ بنمود بدان زیبائی
گفتم صنما در دبرت آیم نایم — فریاد بر آورد کہ نائی نائی

قصاب پسر دیدہ فروزانم دہ — چشمم بگزار، قوّتِ جانم دہ
تا چند باستخواں فریبی چو سگم — سینہ بزمین گزار، پس رانم دہ

جہاں اُردو والوں نے دوسرے مضامین کے سلسلے میں فارسی گویوں کا اتّباع کیا وہاں صفت پسران پیشہ ور میں بھی خسرو کی تاسّی کی ہے اور اس طرح کی رباعیاں میر حسن دہلوی اور حسرت دہلوی کے یہاں مل جاتی ہیں۔

مذہبی اور عام اخلاقی مضامین کے علاوہ قلندری و سرمستی کی رَو فارسی میں خیّام وغیرہ کے یہاں تیز رہی ہے۔ اس کا ایک شاخسانہ خود اپنی ذات پر افتخار، اپنی اہمیت پر ایمان اور بادشاہوں اور امیروں سے مرعوب نہ ہونے کا جذبہ بھی ہے۔ مذہب کے اربابِ ریا سے نفرت اور روحِ مذہب (جس میں اخلاقِ عالیہ شامل ہیں) سے وابستگی بھی اسی خصوصیت کا ایک شعبہ ہے جو کبھی تصوّف سے اور کبھی ولولۂ ایماں سے وابستہ ہو کر رباعی کو دو آتشہ بناتا ہے ؎

با افسر و خان و تاج کے بفروشیم — دستارِ قصب ببانگِ نے بفروشیم
تسبیح کہ پیکِ لشکرِ تذویر است — ناگاہ بیک پیالہ مے بفروشیم
(خیّام)

عزّتِ نفس، اتّحادِ مذاہب و ملل اور اخلاق عالیہ (جن کی بُنیاد بیشتر بے ثباتی دُنیا کے موضوع پر ہے) کے مضامین رباعیوں میں بار بار گردش کرتے رہے ہیں۔ کہیں دل بہلانے کا سامان بھی ہے اور مے و نغمہ کا ذکر بھی، لیکن مے و نغمہ کی گفتگو کا انتہائی نقطہ حقیقتاً "ہمہ اوست" کا فلسفہ ہے جو مختلف حیثیتوں سے رباعیوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ خمریّات کو خیّام کی مقبولیت سے بڑھاوا ضرور ملا لیکن خیّام کی نقّالی میں اوروں سے بلند پایہ شاعری نہ ہو پائی۔

فارسی رباعیوں کے اس عظیم اور متنوّع سرمایے کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اُردو رباعیوں کا سرمایہ کم وزن نکلے گا۔ اُردو کے قدیم ترین رباعی گو محمد قلی قطب شاہ اور مُلّا وجہی ہیں۔ اُردو کے دوسرے رباعی گو شاعروں کی طرح انھوں نے بھی اس صنف کو صرف ضمنی طور پر برتا ہے۔ نہ یہ دونوں، نہ اُردو کا کوئی اور اہم شاعر مستقل طور پر رباعی گو رہا ہے۔ ان کی رباعیوں کا نمونہ یہ ہے ؎

تج حُسن تے تازہ ہے سدا حُسن وجمال — تج یار کی بستی تے، رہے عشق کو چال
تُو ایک ہے تج سانئیں دُوجا کوئی — کیو پاوے جگت صفحے میں کوئی تیری مثال

(محمد علی قطب شاہ)

دُنیا کے سو لوگاں ہیں وفا دِستا نیئں — ڈھنڈ دے کے جفاباز، جفا دِستا نیئں
بے مہریِ آدم ہے اس سوں اُس کی — دل باندھنے میں کچھ دغا دِستا نیئں

خوش حال ہو، جیو آج خوشی پاتا نیئں — پیتا ہوں شراب ہور اثر آتا نیئں
کانٹیاں کے ضرب دِستے ہیں پھول بھی سب — تج باج سکھی باغ مجھے بھاتا نیئں

(مُلّا وجہی)

ان رباعیوں کا محور مضامین عاشقانہ ہیں۔ کہیں کہیں ہلکا سا پرتوِ حکیمانہ بھی نظر آجاتا ہے جو سطحی اخلاقیات تک محدود رہتا ہے۔ عارفانہ یا گہرے فلسفیانہ مضامین ان میں نہیں ہیں۔ رباعیوں میں عارفانہ، نعتیہ، منقبتی اور رثائی عناصر بھی شروع ہی سے ملنے لگتے ہیں۔ متقدّمین میں ولی اور حاتم کے علاوہ دَرد اور ہدایت وغیرہ کی رباعیاں تذکروں وغیرہ میں نقل ہوتی ہیں اور ان میں سے کچھ کیفیتِ خاص کی حامل بھی ہیں۔ لیکن عام رنگ تقریباً ایک ہے بلکہ بعض اوقات تو ارادی صنّاعی کی کوششیں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً ؎

ان سیم بروں کے ساتھ سونا، معلوم — قسمت میں لکھی ہے خاک، سونا معلوم
حاتم! افسوس دی وامروز گزشت — فردا کی رہی امید سو، نا معلوم

(حاتم)

اے دَرد! سبھوں سے برملا کہتا ہوں — توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں
مُلّا کو بھی اس میں نہیں چاہیے انکار — بندہ بندہ، خدا خدا کہتا ہوں (درد)

عالم یہ تمام دل لگا کر دیکھا
خورشید سے ذرّے تک سراسر دیکھا
ہے عین، نہ کوئی ظل، بچشمِ تحقیق
تُو ہی تُو ہے، جدھر نظر بھر دیکھا
(قدرت اللہ قاسم)

عینیتِ ذات جس کو حاصل ہووے
عینِ دریا ہے گو کہ ساحل ہووے
کیا دخل ہے عکس رونما ہووے اگر
آئینے کے آئینہ مقابل ہووے
(مصحفی)

اِک عمر اگر پیرِ فلک کھووے گا
لوحِ امکاں لکھے گا اور دھووے گا
احمدؐ پہ ہوا خاص خدائی کا ظہور
ایسا نہ کوئی ہُوا ہے، نے ہووے گا
(ہدایت اللہ خاں ہدایت)

پیغمبرِ حق، کہ حق دکھایا اُس کا
معراج ہے کمترین پایا اُس کا
سایہ جو اُسے نہ تھا یہ باعث ہے گا
کل حشر کو ہوگا سب پہ سایا اُس کا
(میر تقی میر)

الحق کہ یہ دعویٰ تو بجا ہے یا شاہ
یعنی کہ وہ میں ہوں نقطۂ بسم اللہ
وہ نقطہ کہ جس کی شرح قرآنِ مجید
پُتلی مِری آنکھوں کی ہے وہ خالِ سیاہ

باعث ہے نجات کا زبس یادِ علیؑ
ہے وردِ زباں سدا مجھے نادِ علیؑ
گر ہیں اعمال نیک جُزوِ ایماں
عینِ ایماں ہے حُبِّ اولادِ علیؑ

یوں تو مُدّت سے تِل مَلی ہے دل کو
کل سے پر سخت بے کلی ہے دل کو
جلدی سے مدد کرو، مِلا دو اُس سے
جس سے آرام یا علیؑ ہے دل کو
(عزت اللہ عشق)

اے اُمّتِ حضرتِ رسُولِ الثقلین
مانگو ہو اگر دونوں جہاں کا تم چین
تو ورد کرو صبح و مسا اتنا تم
اللہ و محمدؐ و علیؓ و حسنینؓ
(میر سوز)

ایوان رسالت و خدائی کی بنا
دیکھا جو بچشمِ غور، لیکن قاسمؔ
کہنے کو یوں کوئی ہے اِن کا بننا
واللہ کہ پنجتنؑ سے ہے یہ برپا
(قدرت اللہ قاسمؔ)

بارہ جو ہوئے فلک پہ یہ بُرج بِنا
چودہ جو زمین و آسمان کے ہیں طبق
ہے بارہ امام کا مقامِ اعلا
سو چاردہ معصوم کی کرتے ہیں ثنا
(جعفر علی حسرتؔ دہلوی)

دُنیا میں اسی کو بادشاہی بھی ملے
جو دل سے کرے رجوع سُوئے حسنینؑ
عقبیٰ میں اسی کو روشنائی بھی ملے
شاہی بھی ملے و دل کشائی بھی ملے
(مرزا کلو بیگ مسکینؔ)

کونین حسنؑ حسینؑ کا ممنوں ہے
ایسوں کے اُپر رَوا رکھا داغ فلک
اِس یاد سے عشرت کا سینہ محزوں ہے
جس داغ سوں لالے کا جگر پُرخوں ہے
(ولیؔ دکنی)

سُنیؔ ہو خواہ کوئی شیعہ ہووے
وو شخص ہے جنتی ہدایتؔ بے شک
اُپجے گا وہی تخم جو دل میں بووے
غم میں حسنینؑ کے جو کوئی رووے
(ہدایت اللہ خاں ہدایتؔ)

اُترا تھا غریبانہ کنارے آکر
تر حلق دمِ آب سے اُس کا نہ ہوا
لب خشک مُوا سو نور چشمِ حیدرؑ
اے آبِ فرات خاک تیرے سر پر
(میر تقی میرؔ)

دس روز جو حسنینؑ کے ماتم میں رہا
ہر قطرہ اُس اشک کا جو گوہر ہے پُر آب
اور آنکھوں سے اشک اُس کے غم میں جو بہا
رکھتا ہے حسنؔ وہ دونوں عالم میں بہا

کیا وحش و طیور، اِنس و جاں عالم میں
روشن نہ سمجھ ضریح پر قندیلیں
جو ہیں سو حسنؔ وہ روتے ہیں اس غم میں
جلتے ہیں یہ دل حسینؑ کے ماتم میں
(میر حسنؔ دہلوی)

ہنگامۂ حشر جبکہ برپا ہوگا یوں رُوئے سوال سُوئے اعدا ہوگا
اولادِ نبیؐ پہ ظلم کیا کیا نہ کیے سمجھے نہ یہ تم کہ ہم پہ کیا کیا ہوگا
(حکیم مومن خاں مومن دہلوی)

مثال کے طور پر ان چند رباعیوں کے پیش کرنے کا مقصد یہ واضح کر دینا تھا کہ عہدِ انیس تک آتے آتے اردو رباعیوں کے موضوعات تقریباً متعین ہو چکے تھے اور بیشتر مضامین کا سرچشمہ فارسی کے رباعی نگاروں کا کلام تھا۔ اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ رباعی کی حد تک انیس اور دبیر نے اسی دائرے کے اندر رہ کر دادِ شاعری دی ہے۔ کمیّت کا فرق ضرور نمایاں ہے۔ مرثیہ نگاروں نے حُسن و عشق اور خمریات کے مضامین سے کلّیتہً احتراز کیا ہے۔ جہاں ساقی نامے کا انداز آیا بھی ہے وہاں شراب واضح طور پر شرابِ معرفت یا شرابِ عقیدت ہے۔ عام ماحول اور ضروریاتِ فن کے مطابق بعض عام مضامین پر توجّہ زیادہ ہوئی ہے اور بعض پر کم۔ لیکن یہ کمیّت کا فرق اتنا ہے کہ کیفیت میں بھی فرق محسوس ہونے لگا ہے۔ کیفیت و کمیّت کے اس فرق کے باوجود، موضوعات یا ہیئت کسی اعتبار سے بھی انیس و دبیر نے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ ان کی دین یہ ہے کہ انھوں نے اردو کے لیے رباعیوں کا ایک بیش قیمت سرمایہ مہیّا کر دیا۔ ان کی رباعیاں نہ ہوتیں تو اردو کی رباعیاں قابلِ اعتنا نہ ہوتیں اور اہم رباعی گویوں سے اردو کی تاریخ محروم ہو جاتی۔

یہ بات تعجّب خیز ہے کہ فارسی کے تتبّع کے باوجود، اردو والوں کو فارسی والوں کی طرح رباعی سے شغف نہیں رہا۔ شغف کیا بھی تو غزل گویوں نے نہیں بلکہ مرثیہ گویوں نے۔ اس کا سبب کیا ہے کہ ناسخ اور آتش جیسے اساتذہ اس صنف سے تقریباً گریز کریں اور انیس و دبیر اپنا لیں؟ ابھی تک دو طرح کے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرثیہ خوانوں، بالخصوص تحت لفظ خوانوں کا دستور یہ تھا کہ وہ مرثیے کے پہلے دو چار رباعیاں اور ایک سلام پڑھتے تھے۔ اس ضرورت کے ماتحت بہت سی رباعیاں کہہ لی گئیں اور پڑھی جانے لگیں۔ کچھ رباعیاں دوسرے شعراء نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہیں کہ وہ تمام اصنافِ سخن برت سکتے ہیں اور رباعی کہنے سے قاصر نہیں ہیں۔ لیکن ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ایک بنیادی سوال اٹھایا ہے:

"اس پورے عہد میں (شمالی ہند میں اٹھارہویں کے وسط سے لے کر انیسویں صدی کے آخر تک) کسی غزل گو شاعر نے بحیثیت رباعی گو کے کوئی مقام نہیں حاصل کیا۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کے غزل گو شعراء کے لیے رباعی کے سانچوں میں جو کچھ ڈھالنا ممکن تھا وہ اسے غزل کے قالب میں نہ صرف اُتار سکتے تھے بلکہ اُتارنا زیادہ پسند بھی کرتے تھے۔ اس دَوران میں غزل میں اتنی توسیع ہو گئی تھی کہ وہ رباعی کے بیشتر مضامین کو اپنے اندر سمو لینے کی اہل بن گئی تھی۔ غزل گو شعراء بُنیادی طور پر غزل گو تھے۔ وہ غزل کی قیمت پر کہ جس کی اچھی پذیرائی یقینی تھی رباعی پر قوّت صَرف کرنے کا جھگڑا کیوں مول لیتے کہ جس کا حشر نامعلوم تھا؟ فنّی اعتبار سے دیکھیے تو رباعیاں غزل کی طفیلی معلوم ہوں گی۔

اِن حالات میں فنِّ رباعی کی ترقّی غیر غزل گو شعراء کی توجہ کی منتظر تھی۔ ایسے شعراء کہ جن کے لیے رباعی کسی ضرورت کو پورا کرنے کا بھی باعث ہو اور ان کے اختیار کردہ ہمہ وقتی صنفِ سخن پر بُرا اثر بھی نہ ڈالے۔ اگر ان امور کو ذہن میں رکھا جائے تو آسانی سے یہ سمجھ میں آجائے گا کہ اُنیسویں صدی میں رباعی کا عروج زیادہ تر مرثیہ گو شاعروں کے ہاتھوں کیوں ہوا۔ انھیں غزل نہیں کہنی تھی بلکہ مرثیہ کہنا تھا جو ایک تفصیلی فن ہے۔ رباعی کی طرح اس میں ایجاز و اختصار کی شرط نہیں ہے۔ مرثیہ گوئی کے دل کش پھیلاؤ میں غور و فکر کرتے وقت ان کے ذہن میں ایسے جاندار اور اجمالی خیالات اُبھرتے تھے جو حقائق و کلّیاتِ زندگی کی طرف گہرے اشارے تو کریں مگر کسی تفصیل کا تحمّل نہ کریں۔ ان خیالات کے لیے رباعی سے بہتر اور کون سا سانچہ ہو سکتا تھا[1]۔"

یہ تفصیلی اقتباس یہ گُتھّی سُلجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ مرثیہ گویوں میں دو اعلیٰ مرتبے کے رباعی گوئیوں پیدا ہوئے، جبکہ اُن کے دوسرے بلند قامت ہم عصر (جیسے غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، ناسخؔ اور آتشؔ) رباعی کی طرف متوجّہ بھی ہوتے ہیں تو بیگانہ وار

---

[1] ناسخ : ۲۶۱ - ۲۶۰۔

گزر جاتے ہیں۔ شبیہہ الحسن کی توجیہہ بُنیادی طور پر قابلِ قبول ہے لیکن ایک اور بات ذہن میں رکھنے کی ہے۔ مرثیوں کے علاوہ دوسری تفصیلی صنفِ سخن مثنوی ہے مگر مستقل مثنوی نگار بھی جیسے حسنؔ اور شوقؔ تفصیلی صنفِ سخن سے وابستہ ہونے کے باوجود رباعیوں کی طرف زیادہ راغب نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ سبھی مرثیہ گو اچھے رباعی گو نہیں ہوئے اور تعداد کے اعتبار سے بھی اُن کی رباعیاں زیادہ نہیں ہیں۔ انیسؔ و دبیرؔ یہاں بھی کلّیہ کے تحت نہیں آتے بلکہ مستثنیات میں ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی مرثیہ گویوں نے رباعیاں ضرور کہی ہیں اور عام غزل گویوں کے مقابلے میں زیادہ کہی ہیں لیکن اس کا قوی سبب مرثیہ خوانی کے سلسلے میں رباعی خوانی کی روایت بھی ہے۔ خود یہ روایت بہت زیادہ پُرانی نہیں ہے۔ اس کی ابتدا غالباً دَورِ میر حسنؔ میں ہوئی ہوگی۔ ان سے کئی رثائی رباعیاں منسوب ہیں۔ انیسؔ و دبیرؔ نے اس روایت کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ ذہن کے کسی گوشے میں اپنے ہم عصر غزل گویوں پر یہ ظاہر کرنے کا جذبہ بھی کارفرما رہا ہوگا کہ ہم کسی مضمون میں بند نہیں ہیں۔ شبیہہ الحسن کی توجیہہ کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔

اس منزل پر ذہن ایک اور سبب کی طرف بھی جاتا ہے۔ رباعی جن فلسفیانہ اور عارفانہ و معتقدانہ مضامین اور داخلی آہنگ کی طالب تھی وہ ایک خاص سیاسی اور سماجی ماحول ہی میں پنپ بھی سکتا تھا۔ جب سماج کا اندرونی کھوکھلا پن اربابِ نظر کی آنکھوں میں چُبھنے لگا، جب اخلاق و اقدار کی مضبوط دیواریں متزلزل ہونے لگیں، جب اربابِ اقتدار نے قیادت کی صلاحیتیں کھو دیں، جب محنت کشوں کے خلوص و اخلاق کے مقابلے میں استحصالی طاقتوں کی نمائش اور ریاکاری، جبر اور تشدّد کا دَور دَورہ ہوا، تو تخلیق کاروں نے زندگی سے رس چھیننے اور انسانی اعلیٰ اقدار کی پائمالی کے خلاف آواز اٹھانا شروع کیا۔ دِلّی تو مدّتوں سے لُٹی لُٹائی تھی۔ جب لکھنؤ میں شمالی ہند کی آخری بساطِ امارت بھی اُلٹنے لگی اور اُمّید کے آخری دیے بھی بُجھنے لگے، تو اچھے شاعروں کے یہاں خارجی اور داخلی رنگوں کا وہ امتزاج پیدا ہوا جو رباعی کے لیے سب سے زیادہ سازگار تھا بلکہ جو رباعی کا اصلی آہنگ تھا۔ دِلّی میں حسرتؔ، سوزؔ، دردؔ، ہدایتؔ، عشقؔ وغیرہ کا ایک پورا سلسلہ ہے جو رباعی گوئی کی طرف بھی ضمناً متوجّہ ہوتا ہے۔ یہ سرمایہ ضخیم نہیں لیکن جاذبِ نظر ضرور ہے۔ دُنیائے فکر و فن میں غزل عشق کی گرمی اور

حُسن کی تابش، فکر کی گہرائی اور نظر کی گیرائی سے عاری بلکہ بے جان روایتوں کا انبار اور بے رُوح الفاظ کی مرصّع کاری اور قوتِ عمل سے محروم معاشرے کے کھوکھلے پن کا مظہر اور صرف مشقِ سخن کا وسیلہ بنتی جا رہی تھی۔ کبھی شاعر ابتدا غزل گوئی سے کرتے اور پھر طویل تر اصنافِ سخن مثلاً مرثیہ و مثنوی کی طرف متوجّہ ہو جاتے تھے۔ طویل اصنافِ سخن میں مرثیہ و مثنوی کے علاوہ قصاید اور واسوخت بھی تھے۔ اُدھر نثر، اپنے دامن میں شعر کی کئی خصوصیتیں لیے ہوئے اُبھر رہی تھی۔ اس پھیلاؤ کے زیرِ اثر غزل بھی دَورِ احسان و نصیر سے 'غزل در غزل' ہونے لگی تھی اور حیرت خیزی کے لیے مشکل زمینوں کا سہارا لے رہی تھی۔ زبان کی منجھائی اور صفائی پر بڑا زور دیا جانے لگا تھا۔ داخلی تغزّل کی اس عارضی پسپائی سے جو خلا سا پیدا ہو رہا تھا، اُسے ہمارے مرثیہ گویوں کی رباعیوں نے پورا کیا۔ جس شہرت و مقبولیتِ غزل کا ذکر شبیہ الحسن نے کیا ہے وہ مشاعروں میں چھتیں تو اُڑا سکتی تھی لیکن دلوں کو نہیں چھو پاتی تھی۔ رباعیوں نے داد بھی پائی اور دلوں کو بھی چھُوا۔ رباعیوں میں وہ بے سُود قافیہ پیمائی نظر نہیں آتی جس سے اس دَور کی بیشتر غزلیں پہچانی جاتی ہیں۔

انیسؔ کی رباعی نگاری

یہ اشارہ ضمناً کیا جا چکا ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ تک آتے آتے اُردو رباعی نگاری اپنے بلوغ کو پہنچ چکی تھی لیکن اس دَور کی رباعی نگاری کو صرف ایک روایت کے تسلسل سے تعبیر کرنا غلط ہوگا۔ ان کے پہلے جو رباعی گو ملتے ہیں، رباعی نگاری اُن کا خاص میدان نہیں ہے۔ کبھی کبھی چند رباعیاں لکھی بھی ہیں تو "مزا منھ کا بدلنے کے لیے" یا پھر تمام اصنافِ سخن پر قادر ہونے کے ثبوت میں۔ اُردو رباعی نگاروں میں خواجہ میر دردؔ کا نام نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ لیکن اس نمود کا سبب صنفِ رباعی میں متصوفانہ مضامین کا فن کارانہ استعمال ہے، حجم نہیں ہے۔ حجم کے اعتبار سے کوئی پیش رَو انیسؔ و دبیرؔ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دوسروں کے یہاں وہ تنوعِ مضامین بھی نہیں ملتا اور اس صنف کو سلیقے سے برتنے کا بھی اتنا باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ انیسؔ کے پیش رووں میں خود اُن کے دادا میر غلام حسین حسنؔ دہلوی نے کوئی سَو کے قریب رباعیاں کہی ہیں۔ ہم پہلی بار کسی اُردو شاعر کے یہاں اتنی تعداد میں رباعیاں پاتے ہیں۔

یہ رباعیاں حسن کے غیر مطبوعہ کلیات میں محفوظ ہیں۔ تعدادی نہیں بلکہ مواد کے اعتبار سے بھی یہ رباعیاں جاذبِ توجہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی بعض رباعیاں خاصی جاندار ہیں، مثلاً:

ظاہر بھی تو ہی ہے اور نہاں بھی تو ہی
معنی بھی تو ہی ہے اور بیاں بھی تو ہی
دونوں عالم میں تجھ سوا کوئی نہیں
یاں بھی تو ہی ہے اور واں بھی تو ہی

لیکن یہ دعوا نہیں کیا جا سکتا کہ سب رباعیاں ایسی ہی رچی ہوئی ہیں۔ بعضوں میں صناعی کی ارادی کوشش یا صرف روایت نوازی بھی ملتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مرثیہ گویوں نے یہ طریقہ اپنایا تھا کہ وہ مرثیہ سنانے سے پہلے چند رباعیاں بھی تمہیداً پڑھا کرتے تھے، اس لیے ان کے یہاں رباعیاں زیادہ ملتی ہیں، لیکن سبھی مرثیہ گویوں کے یہاں رباعیوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ کچھ ایسے مرثیہ نگار ہیں جنھوں نے مرثیے تو کم لکھے ہیں لیکن رباعیاں زیادہ ہیں، مثلاً میر حسن کے چند ہی مرثیے ملتے ہیں اور وہ بھی بہت مختصر۔ وہ مرثیہ نگاری کی طرف خاص طور سے متوجہ نہیں تھے پھر بھی اُن کے یہاں رباعیوں کی خاصی تعداد کا وجود، رباعیوں سے بڑھتی ہوئی توجہ کی غمازی کرتا ہے اور مرثیہ گوئی اور رباعی گوئی کے باہمی رابطے کو اضافی بنا دیتا ہے۔ اُن کے صاحبزادے اور انیس کے والد میر مستحسن خلیق مشہور مرثیہ گو تھے اور اُن کے مرثیے اچھی خاصی تعداد میں موجود بھی ہیں، لیکن اُن سے صرف ایک رباعی منسوب ہے۔

خلیق اچھے غزل گو تھے، اُستادِ فن تھے، مرثیہ گو تھے اور موجود شواہد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے دَور میں مرثیوں سے پہلے رباعی اور سلام پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا۔ ان کے ہم عصروں، میر ضمیر اور مرزا فصیح کے یہاں بھی رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اس صورت میں خلیق کی رباعیوں کی عدم موجودگی یا گم شدگی حیرت ناک ہے۔ بظاہر خلیق کی رباعیاں املاک کے طور پر اُن کے ورثا میں بنٹ گئی ہوں گی۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوں تامل نہیں ہے کہ میر حسن کے زمانے سے رباعی گوئی کا اٹوٹ سلسلہ چلا آ رہا ہے، چونکہ میر درد بھی بہت زیادہ اقدم نہیں ہیں اس لیے اُردو رباعی نگاری کی غیر منقطع روایت کو میر درد تک جاری دیکھا جا سکتا ہے۔

انیس کے مرثیوں ہی کی طرح اُن کی رباعیوں کی تعداد بھی حیرت انگیز ہے۔ ایک اندازے

کے مطابق رباعیوں کی تعداد چھ سو کے لگ بھگ پہنچ جاتی ہے۔ اگر شاہ غمگین کے دیوان رباعیات سے قطع نظر کر لی جائے تو کسی اور اردو شاعر نے اتنی زیادہ رباعیاں نہیں کہی ہیں۔ رباعیوں کی یہ تعداد بھی اہمیت رکھتی ہے لیکن انیس کا مرتبہ دراصل اردو میں آہنگ رباعی کو مستند اور معتبر بنانے کی وجہ سے ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن کا قول ہے:

"انیس کی رباعیوں نے اردو ادب میں ایک بلند مرتبہ پایا ہے۔ ان میں سیدھی سادی باتیں بڑے تیکھے پن سے کہی گئی ہیں جو دل سے نکلتی ہیں اور دل میں اتر جاتی ہیں۔ رباعی کی صنف خاصی مشکل صنف ہے کہ مخصوص بحروں کے چار مصرعوں میں ایک جہان معنی کو سمونی ہے۔ نہ اس میں غزل کا سا اختصار ہے کہ محض کیفیت کے اظہار پر قناعت کرے اور صرف تاثر ہی کو ادا کرے یہ قناعت کرے نہ نظم کی سی وسعت ہے کہ کسی مقدمے کو منطقی ربط کے ساتھ بیان کرے۔ اس میں تو غزل کا سا اختصار بھی ہے اور نظم کا سا ربط بھی۔ پھر بحریں متعین اور مصرعے فقط چار۔ علاوہ بریں، اس صنف میں ایسے ایسے اکابر طبع آزمائی کر کے نام کما چکے ہیں کہ اُن سے آگے قدم بڑھانا سخت دشوار تھا، مگر انیس نے یہاں بھی اپنی عظمت کا سکہ منوایا اور رباعی میں اپنا نام ہی نہیں اپنی چھاپ بھی چھوڑ گئے۔ انیس کے نام سے رباعی کا جو مخصوص رنگ آہنگ پہچانا جاتا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔"[۵]

پھر رباعی کا رنگ و آہنگ کیا ٹھہرا؟ ایک تو سیدھی سادی اور عام الورود باتوں کا تیکھے پن سے ادا کرنا۔ یہ تیکھا پن ایسا ہو جس سے دل و دماغ متاثر ہو سکیں اور جس کے طرز اظہار میں خلوص بھی ہو۔ اسی کے ساتھ اوّلین صنفی خصوصیت یعنی اختصار بھی ہو۔ ڈاکٹر محمد حسن کے لفظوں میں یہ رباعی کی عام خصوصیتیں ہیں جو انیس کے یہاں بھی موجود ہیں، لیکن انھوں نے رباعی کے اُس مخصوص رنگ و آہنگ کی تشریح نہیں کی جسے وہ انیس کا ہی حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ کام مشکل بھی ہے۔

جب امداد امام اثر نے یہ لکھا کہ انیس و دبیر نے اُردو رباعیوں کی شرم رکھ لی تو وہ انیس سے زیادہ اُردو رباعیوں کے وزن وقار کی بات کر رہے تھے اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ

---

[۵] رباعیات انیس، ص ۳۔ مرتبہ سید محمد حسن بلگرامی، ج۔ کے آفسیٹ پریس دلّی، ۱۹۷۵ء، طبع دوم۔

اب اُردو رباعیاں بھی فارسی رباعیوں کے پہلو بہ پہلو رکھی جا سکتی ہیں۔ انھوں نے بھی انیس کے آہنگ رباعی کی تشریح نہیں کی۔ آج کل کے نقد نگاروں میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے یہ دعوا کیا کہ:

"اگر میر انیس مرثیہ نہ کہتے تو اُن کی رباعیات ہی اس قدر بلند مرتبت تھیں جو اُن کی حیاتِ ابدی کی ضامن بن جاتیں۔ دراصل میر انیس دَورِ متوسط کے سب سے بڑے رباعی گو شاعر ہیں۔ اُن کی شیریں، پُر درد، بلند آواز صدیوں تک اُردو رباعی کی فضا میں گونجتی رہے گی۔"

بلندیٔ مرتبت اور ضمانتِ حیاتِ ابدی جیسے الفاظ سے رنگ و آہنگِ انیس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اسی طرح شیرینی، بلندیٔ آواز اور درد آفرینی جیسی صفتوں سے بھی رنگ و آہنگِ انیس پوری طرح گرفت میں نہیں آتا۔ ناقدین کی اس اُلجھن کے سوتے دراصل انیس کے تاریخی کردار میں پوشیدہ ہیں۔ قدما میں حاتم و قدرت، قائم و میر، سودا و سوز و جرأت، قاسم، فراق اور عشقی، بیان اور میر حسن جیسے کئی نام آتے ہیں اور خواجہ میر درد کا نام خصوصی طور سے لیا جاتا ہے لیکن کمیت کے اعتبار، ان سب کی رباعیوں کے ذخیرے بے حد محدود ہیں اور اس سے رنگ و آہنگ کی تحدید و تعیین نہیں کی جا سکتی۔ خواجہ میر درد اپنے عہد کے ممتاز شاعر تھے۔ ان کے متصوفانہ لہجے نے ان کے تغزل میں بھی وقار پیدا کر دیا تھا۔ یہ وزن و وقار اُن کی بیشتر رباعیوں میں بھی ملتا ہے، لیکن تعداد کی کمی اور محدود مضامین کی وجہ سے ہم عصروں یا بعد میں آنے والوں پر پوری طرح سے نہ تو اثر انداز ہو پائیں اور نہ رباعیوں کا لہجہ متعین کرنے میں ان سے وہ مدد ملی جس کی درد کے ادبی قامت کی بنا پر توقع کی جا سکتی تھی۔ اُن کی رباعیاں بیشتر عاشقانہ یا متصوفانہ ہیں۔ کچھ رندانہ بھی کہی جا سکتی ہیں لیکن اُن کی خالص متصوفانہ رباعیاں بہت زیادہ نہیں ہیں۔ جو ہیں اُن میں یاس و حسرت، تشنگی اور طلب کی دھیمی دھیمی آنچ محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس میں ایک خاص کشش ہے۔ اُن کے لہجے کی اس خصوصیت کے باوجود رباعیوں میں اُن کی پیروی شاذ ہوئی۔ میر حسن نے اُن کا زمانہ دیکھا تھا، پھر بھی اُن کی سَو کے قریب رباعیاں آہنگِ درد کا پتہ نہیں دیتیں بلکہ میر تقی میر کے سلسلے کی معلوم ہوتی ہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ درد کی چالیس رباعیوں میں بھی سب ایک ہی لہجے میں نہیں ہیں اور جہاں اُن کا لہجہ دوسروں سے ممیز ہوتا ہے، وہاں فرق کی بنا یہ ہے کہ درد کی

کا عارفانہ رباعیاں واردات قلبیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا اتباع وہی کر سکتا تھا جس پر یہ یہ کیفیتیں بیت رہی ہوں۔

سبب کچھ بھی رہا ہو لیکن نہ دردؔ، نہ میرؔ و حسنؔ و مومنؔ کسی کے لہجے نے وہ وقار نہ پایا کہ اُسے اُردو رباعی کا مجموعی آہنگ قرار دیا جاسکے۔ انیسؔ کی رباعیاں تعداد میں اتنی زیادہ اور مطالب کے اعتبار سے اتنی متنوع ہیں کہ بعد کے رباعی گویوں بلکہ ہم عصروں کی ایک پوری صف اُن سے متاثر ہوئی۔ انیسؔ کے ہم عصر دبیرؔ نے بھی سینکڑوں رباعیاں نظم کی ہیں۔ اُن پر بھی اسی لہجے کا پرتو ہے۔ دونوں کا مجموعی تاثر یہ ہوا کہ ایک لہجہ رباعیوں کا عام لہجہ بن گیا جسے سبھی نے اپنا لیا۔ اگرچہ ہر ایک نے اپنی بساط اور اپنے ظرف کے مطابق ہی کسبِ نور کیا پھر بھی انیسؔ کے لہجے کی چھاپ یا پرچھائیں اُس دور کی رباعیوں پر ضرور نظر آتی ہے۔ بیرونی[1] کیفیت کے اعتبار سے دبیرؔ صنائع نگاری اور خیال آفرینی کی طرف نسبتاً زیادہ راغب تھے۔ یہ بیرونی کیفیت ایک محدود حلقے ہی میں پسند کی جاتی تھی۔ اس لیے دبیرؔ کے توام اثر کے باوجود رباعیوں کا مجموعی لہجہ انیسؔ کے لہجے سے قریب تر رہا اور یہی رباعی کا معتبر لہجہ بن گیا۔ انیسؔ کا یہ مخصوص لہجہ کسی دوسرے رباعی گو سے الگ ہونے کی وجہ سے نہیں پہچانا جائے گا بلکہ دوسرے کا لہجہ انیسؔ کے لہجے سے مختلف ہونے کی بنا پر الگ یا منفرد مانا جائے گا۔

انیسؔ کی رباعیوں پر کوئی مستقل رائے قائم کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ یہ رباعیاں کن حالات میں کہی گئی ہیں۔ اُردو میں خیامؔ وغیرہ فارسی رباعی گویوں جیسے افراد کا وجود نہیں ہے جنھوں نے اس صنف کو خصوصیت سے برتا ہو اور تقریباً اسی صنف کے ہو کر رہ گئے ہوں۔ اُردو میں دردؔ، مومنؔ، میرؔ، سوداؔ وغیرہ جن کا نام رباعی نگاری میں بھی لیا جاتا ہے، دراصل ضمناً رباعیاں کہتے تھے۔ یہ سب بنیادی طور پر غزل یا زیادہ سے زیادہ غزل و قصیدے کے شاعر ہیں۔ کبھی کبھی رباعیاں بھی کہہ لیتے تھے۔ مومنؔ کی رباعیوں کی تعداد ۱۳۱ بتائی جاتی ہے اور انھوں نے یہ التزام بھی کیا ہے کہ ردیف وار رباعیاں کہی ہیں لیکن اُن کی رباعیوں کا ذخیرہ ان کی غزلوں اور مثنویوں کے مقابلے میں پاسنگ معلوم ہوتا ہے۔ دردؔ کی رباعیوں کی تعداد، سب کچھ سمیٹنے کے بعد بھی چالیس سے آگے نہیں بڑھتی۔ میر حسنؔ کی رباعیاں بھی سو تک پہنچتی ہیں۔ خود میر انیسؔ جنھوں نے مسدّس مراثی

---

[1] لفظی اور ہیئتی کیفیت۔

کا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑا ہے، ان کی رباعیاں مشکل سے کوئی پانچ سو کے اوپر چھپی ہیں۔ اردو کے لیے (شاہ غمگین کو چھوڑ کر) رباعیوں کا یہ سب سے بڑا ذخیرہ ہے، پھر بھی مراثی کے مقابل رکھ دیجیے گا تو کھو جائے گا۔ سید محمد عباس ناقل ہیں کہ میر انیس :

"عموماً مرثیے کی تصنیف سے فرصت پانے کے بعد اور بعض اوقات میں مجلس جاتے وقت سلام اور رباعیاں نظم کرتے تھے، کبھی راہ میں نظم کر لیتے اور مجلس میں جا کر پڑھ دیتے تھے۔ بعض رباعیاں مجلس میں پہنچ کر اور مجمع کو دیکھ کر نظم کی ہیں[۱]۔"

اعتقادیات

خود رباعیوں کے دیکھنے سے یہ محسوس نہیں ہونے پاتا کہ یہ روا روی میں کہی گئی ہیں اور ان کی حیثیت طفیلی ہے۔ حقیقی فن کار کے ہاتھوں میں پہنچ کر، بے پناہ قدرت شاعری، بدیہہ گوئی اور جودت کے باعث یہ خاصے کی چیزیں بن گئی ہیں اور قبولِ عام کی مجلس میں جگہ پاتی ہے۔ اگر بعض رباعیوں میں خرامِ بے پروا کی کیفیت ملتی بھی ہے تو اس کی ذمہ داری صرف شانِ زود گوئی پر ہے۔ انیس کی رباعیاں مشاعروں اور نجی یا درباری محفلوں میں پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ ایسے عقیدت مندوں کی چھلکتی ہوئی مجلسوں میں پڑھنے کے لیے لکھی گئی ہیں جن کو بنیادی طور پر دین سے شغف بھی ہے اور جو روایت پسند بھی ہے۔ ان میں نظر اٹھتے ہوئے قدموں سے زیادہ صراطِ مستقیم پر رہتی ہے۔

اس عمومی دینی فضا کے علاوہ انیس کی رباعیوں پر ایک مزید موضوعاتی قید یہ بھی تھی کہ وہ مرثیوں کی ابتدا میں تمہید کے طور پر لکھی گئی تھیں۔ ان کا مقصد بکھرے ہوئے مجمع کو ایک ذکر کی طرف متوجہ کرنا اور انھیں اس ضیافت کے لیے آمادہ کرنا تھا جس کے لیے وہ جمع ہوئے تھے۔ ان [illegible] اپنے خیال سے بے پروا کرکے [illegible] اور چپا ہونا بھی ضروری تھا اور ایک بڑی اعتقادی تصویر کے حاشیے کا بھی کام کرنا تھا۔ اس موضوعاتی مذہبی قید کی وجہ سے رباعیوں میں عاشقانہ اور رندانہ مضامین کے لیے گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ شاعر کی ذہنی و فکری آزادی پر اسلامی تعلیمات کی

---

[۱] رباعیات انیس : ۵۵

پہلے سے عائد کی ہوئی حد بندیاں تھیں جن سے تجاوز ممکن نہیں تھا۔ اب انیس کا کمال یہ ہے کہ ان حد بندیوں کے باوجود اُن کی رباعیوں میں بڑی آفاقیت اور عمومیت ہے۔ اُن کے سامعین میں مسلمانوں کی کثرت ہوتی تھی لیکن دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہوتے تھے۔ پھر مختلف اسلامی فرقوں کے افراد شرکت کرتے تھے۔ ہر مکتبہ خیال اور ہر فرقے کے لوگ اگر محظوظ نہ ہوں بلکہ مکدّر اٹھیں تو اس سے بڑی محرومی بھی اور کیا ہو سکتی ہے۔ انیس کی رباعیوں کی آفاقیت اور عمومیت کا سرچشمہ اُن کی ارفع وسیع المشربی اور وسیع النظری ہے۔ یہ وسیع المشربی وہ شرافت نفس اور اخلاق عامّہ کے سرا تیوں سے رتے ہیں۔ ان کی گرمی اور خلوص ہر پڑھنے اور سننے والے کو متاثر کرتے ہیں۔ اقدار عالیہ اور وسیع قلبی انیس کی رباعیوں کی خصوصیت ہے۔

اُردو رباعیوں کی خاصی تعداد اعتقادی فضا کی پیداوار ہے۔ اس لیے خصوصی معتقدات کے اظہار سے گریز ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ حاتم و ہدایت وغیرہ نے جا بجا شیعہ اور سُنّی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے اس کا اظہار کیا ہے کہ ان اختلافات کے باوجود وہ ایک رواداراں مسلک اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مومن کے یہاں مسلک اہل حدیث سے شیفتگی بھی ہے اور اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ مقلدین پر طعن سے احتراز بھی نہیں کرتے۔ شیعی رباعی گویوں کے یہاں کلامیہ رجحانات کا بھی اظہار ہوا ہے۔ ایسے خصوصی اعتقادی مسائل سے ہماری رباعیوں کا دامن خالی تو نہیں ہے لیکن یہ بہت کم نظم ہوئے ہیں۔ انیس کے یہاں جہاں بھی ایسے حصے آتے ہیں وہ منفی اختلافی پہلوؤں سے یکسر عاری ہیں۔ وہ کبھی مطاعن کے قریب نہیں جاتے۔ مومن کے برعکس وہ متکلمانہ فضا پیدا نہیں ہونے دیتے اور مخصوص مذہبی عقائد کا اظہار بھی مثبت اور معروضی انداز سے کرتے ہیں۔ جس معاشرے میں مذاہب کی کثرت اور اعتقادات میں اختلاف ہو وہاں اتنی احتیاط ضروری ہے۔ انیس کے اندر کا فن کار اس خطِ فاصل کو ہمیشہ نظر میں رکھتا ہے۔

لہجہ و آہنگ

اس منزل پر انیس کے لہجے کے بیرونی خطوط اور اس کی درونی کیفیت کے متعیّن کرنے کا سوال سامنے آتا ہے۔ "مشاہدۂ حق کی گفتگو" ہو، فلسفہ و حکمت کے مسائل ہوں، فخریہ مضامین ہوں

یا مناجاتی، منقبتی اور رثائی، انیسؔ کی رباعیاں زیادہ تر دروں بینی اور خود کلامی کی فضا میں پھلتی پھولتی ہیں۔ جہاں وہ باہر کی دُنیا سے رُو در رُو باتیں کرتے ہیں وہاں خارجی حقائق کے اظہار کو بھی کسی نہ کسی حد تک داخلی بنا لیتے ہیں اور یہی ان کی رباعیوں کے موثر ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ کہیں کہیں خطیبانہ اور داعیانہ انداز بھی آگیا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو شاعر وہاں بھی اپنی ذات کو سہارا یا مثال بنا کر چلتا ہے۔ بعض اوقات یہ کیفیت غزل کی کیفیت سے ہم آہنگی کے لیے کوشاں نظر آنے لگتی ہے مگر حکیمانہ مطالب کی بنا پر وہ غنائی نمکینی کم آنے پاتی ہے جو غزل کا خاصّہ ہے۔ البتّہ جہاں تصوّف اور گہری عقیدت کی گفتگو ہوتی ہے وہاں ایک ہلکی سی غنائی کیفیت بھی کبھی کبھی جھلک اُٹھتی ہے۔

لہجے پر اظہارِ خیال کرتے وقت ہمیں رباعیوں کی مختلف موضوعاتی اختلاف کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ حمد و نعت و منقبت و معتقدات کے علاوہ اُردو کی رباعیاں عشقیہ و رِندانہ یا حکیمانہ و متصوّفانہ (چند ہجویہ یا شہر آشوبی بھی) رہی ہیں متصوّفانہ اور غیر متصوّفانہ رباعیوں میں بھی آہنگ کا فرق موجود ہے جو موضوع کے فرق سے اُبھرتا ہے۔ مومنؔ کا ارضی عشق اور ان کی متکلّمانہ عقیدت شعاری دردؔ کی متصوّفانہ اور عاشقانہ لہجے کی بلندیوں کو نہیں چھو پاتی، بلکہ کہیں کہیں تو سطحی ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس میر انیسؔ کے آہنگ کا توازن اور خوش امیزی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر وہ مدّھم سُروں میں باتیں کرنے کے عادی ہیں۔ یہ نہ تو متغزّلین کی عام پسندی کا لہجہ ہے نہ بے خودی میں نکلے ہوئے کلمات کا مجموعہ۔ اس میں نہ قصیدے کی بلند گفتاری ہے اور نہ ایسی والہیت ہے جو معقولات و منقولات سے بے نیاز ہو جاتے۔ یہ جذبہ و فکر کا ایسا مرکّب ہے جو دلوں کو گرماتا بھی ہے اور دعوتِ نظر بھی دیتا ہے۔ اس میں فن کی گُل کاری بھی ہے اور زبان و بیان کی چاشنی بھی۔ رباعیوں میں اُن کے لہجے کی ہمواری اور خیال کی سبک روی قاری کو متوجّہ کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اُبل جانے اور چھلک پڑنے کا انداز کبھی نہیں آنے پاتا۔ وہ فکر میں بھی اور اندازِ بیان میں بھی ضبط و نظم کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

فلسفۂ حیات

اُن کے یہاں خیّام کی سی فلسفہ آرائی نہیں ہے جو ایک ہی نقطے پر گردش کرتی ہو۔ اُن کے

یہاں مرکزِ خیال کے باوصف ایک طرح کی مختلف الجہاتی بھی ہے۔ خیام فنا اور بقا کے درمیانی وقفے کو لمحۂ غنیمت سمجھتا ہے اور اس گریزاں لمحے کو عیش کی آخری بوند نچوڑ لینے کے کام میں لانا چاہتا ہے، کیونکہ پھر تو فنا ہو جانا ہی ہے۔ اس کے برعکس انیس اس پر زور دیتے ہیں کہ فنا کی لٹکتی ہوئی تلوار کو دیکھ کر سپر انداختہ نہ ہو جانا چاہیے بلکہ یہ عملِ خیر کی دعوت اور شاندار مستقبل کی علامت ہے۔ اس لیے مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرکے نیکی کی راہ پر آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ وہ دُنیا کو مزرعۂ آخرت اور ان معنوں میں کارگاہ عمل و ایثار مانتے ہیں اور اس طرح خیام کے متوازی بلکہ بعض اوقات بالکل ہی مخالف سمت میں اپنا تصوّرِ حیات پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اخلاقی مقصد و اقدار کا دامن چھوڑنے کے روادار نہیں ہیں۔ اس کے لیے وہ دل سے دل تک منتقل کرنے والے لہجے کو ترجیح دیتے ہیں اور دعوت و موعظت کے عامیانہ رویّے سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ تہذیب و توازن کا مسلسل عمل اُن کی رباعیوں، سلاموں اور مرثیوں میں یکساں طور سے جاری و ساری نظر آتا ہے۔ یہ تہذیب و توازن وہ کبھی تو فکر و فن کے امتزاج سے اور کبھی خالص فکر یا خالص فن سے بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ توازن و تہذیب کی یہی مسلسل تلاش بکھری ہوئی کثرتِ مضامین میں وحدتِ تاثّر کا رنگ بھی اختیار کرتی ہے اور اُن کے الفاظ کو ایک کھنک اور نئی چمک دمک بھی عطا کرتی ہے۔

انیس کے موضوعات میں بڑا تنوع ہے۔ سیّد محمد عبّاس نے "رباعیاتِ انیس" کے مقدمے میں انیس کی رباعیوں کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (۱) مذہبیات (۲) اخلاقیات اور (۳) ذاتیات، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ "اُن کی کُل رباعیاں مذہبیات ہی کے تحت میں آتی ہیں"۔ واقعہ یہ ہے کہ انیس کے کلام میں اعلا مذہبی اقدار کی پرچھائیں ہر جگہ نظر آتی ہے، حد یہ ہے کہ ذاتیات پر بھی اسی کی جھلک پڑتی ہے اور خود یہ تصوّر مذہبی اخلاقِ عالیہ کا ہم رکاب ہے۔

حمد و نعت و منقبت اور رسُول اور آلِ رسول سے عقیدت و محبتِ والہانہ سے متعلق اُن کی بہت سی رباعیاں ہیں۔ حمد کی رباعیوں میں کچھ متصوّفانہ ہیں اور کچھ صفاتِ باری تعالیٰ مثلاً رزّاقی، ستّاری، غفّاری، رحمت، عدل، جود اور کرم وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ہر طرف قدرت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں، وہی پیدا بھی ہے اور پنہاں بھی۔ ہر جگہ

زبی داہے۔ وہ مالک وقار بھی ہے اور بخشنے والا بھی ذہی ہے۔ "مال وزر و آبرو و دین و ایمان و عقل و ہنر و تمیز و جان" سب عطیۂ الٰہی ہیں۔ وہ قریب بھی ہے اور دُور بھی ہے۔

انسان کو رزق، گُل کو بو، سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے

انسان گناہوں سے گھرا ہوا ہے اور عدل کے مطابق سزا کا مستحق، پھر بھی رحیمِ مطلق سے کرم کی اُمید ہے:

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارا نہ کیا
پر تُو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنّم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

وہ ذاتِ لامحدود جو ہر شے کو محیط ہے، کتنی قریب اور کتنی دُور ہے۔ اس کو کس فن کاری سے ادا کیا ہے:

پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تُو
آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تُو
قُربت رگِ جاں سے اور پھر اس پر یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دُور ہے تُو

وہ نظر سے مستور مگر دل سے قریب ہے۔ اس لیے عشق بالغیب ہی وظیفہ ہے:

سائے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہوں وہ دانہ ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیسؔ
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

اور صرف اُسی کی ذات کا بھروسا ہے:

دولت کی ہوس ہے نہ طمع مال کی ہے
خواہش منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے
ہے ذات تری جواد و غفّار و غنی
اُمید تجھی سے تیرے افضال کی ہے

ذات و صفاتِ الٰہی کے اس تصور سے براہ راست وابستہ فقر و قناعت، تواضع و انکسار، ملائمت و نرمی، عزّتِ نفس، محبت و اتحاد، غنا، عملِ نیک اور غرور سے نفرت جیسے تصوّرات ہیں جن سے انیسؔ کی رباعیاں بھری پڑی ہیں۔

نعت و منقبت

نعت و منقبت کے مراکز رسولِ اکرم کی ذات و از صفات اور حضرات علی و حسنین علیہم السلام کی ذاتیں ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلّم سے والہانہ محبت ہے۔

یا ختمِ رُسل مستِ مےِ اُلفت ہیں — قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں
دیکھا جو حضور کو خدا کو دیکھا — اس وجہ سے ہم بھی قائل رویت ہیں

عظمتِ رسولؐ کے اقرار کی منزل بڑی کٹھن منزل ہوتی ہے۔ فارسی شاعر نے یہ کہہ کر قصہ مختصر کرنا چاہا تھا کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن قصہ اتنی آسانی سے مختصر نہیں ہو پاتا:

دُنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں — کس راز سے خالق کے وہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قربِ معراج، انیسؔ — خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

اور واقعہ یہ ہے کہ اس منزل پر بڑے بڑے اسلامی مفکرین نے اسی طرح کی سوچی سمجھی خاموشی اختیار کی ہے۔ رسولؐ اللہ ہی اُمّت کے مرضِ دل کا علاج ہیں، وہی آدابِ حیات سے آگاہ کرتے ہیں۔ ہم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن ذاتِ محمّدی میں جلوۂ نورِ الٰہی ضرور دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرتِ علی، رسولؐ اکرم کے برادرِ عم زاد بھی ہیں اور داماد بھی اور تبلیغِ دین و علم میں شریک بھی۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کے دروازے ہیں) یہ رسولؐ کی حدیث ہے۔ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بے حد محبت بھی کرتے ہیں:

کیا بھائیوں کے اُنس کا اندازہ ہے — ہر وقت گُلِ عشق تر و تازہ ہے
یہ باب ہیں حیدر کے نبیؐ کہتے ہیں — میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

علی سے انیسؔ کو بے پایاں عقیدت آمیز محبت ہے۔ اسی کا عطیہ وہ اکیلی رباعی ہے جس میں ساقی نامے کا انداز ہے:

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے — گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں حبِّ ساقیِ کوثر سے — آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

اس کے بعد انیسؔ کی جبینِ عقیدت حضرتِ امام حسینؑ کے در پر جھکتی ہے۔ یہ ذاتِ گرامی ان کی تمام ادبی کاوشوں کا مرکزی نقطہ ہے، لیکن رباعیوں میں شان کچھ جداگانہ ہے۔ یہاں مدح سے زیادہ بھکتی اور عقیدت مندی کی چھاپ ہے:

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ
سردارِ اُمم مثلِ محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو طے کی رہِ عشق
حقّا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ
جس پر نظرِ اک لطف کی شبیرؑ کریں
ادنا اعلا سب اس کی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

اور انیس کو اس کا عقیدت مندانہ اقرار تھا کہ ان کی خوش کلامی پر بھی عشقِ حسینؑ ہی کا پرتو ہے:

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدحِ امامِ نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا؟
آقا، یہ شرف تیری غلامی کا ہے

اور ذکرِ امام کا یہ فیض ہے کہ جہاں یہ ذکر ہو وہ مجلس نور کی مجلس ہو جاتی ہے:

انس و مَلک و حُور کی مجلس یہ ہے
تاجِ سرِ جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گناہ کی سیاہی زائل
واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

اس ذکر کی اہمیت یہ ہے کہ حسینؑ کی عظیم قربانی نے دین میں ایک نئی روح پھونکی اور طاقت و قوت کو اصول کے آگے سرنگوں کر دیا۔ ان معنوں میں یہ پیغام ایک ابدیت اور آفاقیت رکھتا ہے۔ انیس کی شہرت انھیں مجلسوں کی بدولت ہوئی۔ ان کا ذکر کئی رباعیوں میں ہے۔ ان سے نہ صرف انیس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ کئی سوانحی گوشے میں جھلک اٹھتے ہیں:

اُمّید کسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں بچھاؤں میں انیس
ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی

عابد سب ہیں، خدا رسیدہ سب ہیں
بینا صفتِ مردمِ دیدہ سب ہیں
گلزار ہے لکھنؤ انھیں پھولوں سے
چیدہ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

مجلسیں یوں تو سبھی جگہ ہوتی تھیں لیکن لکھنؤ جیسا ادب آشنا اور سخن فہم مجمع کم ملتا تھا اور لکھنؤ والے ہی نہیں باہر والے بھی یہاں کے سامعین کی تعریف کرتے تھے۔ انیس بھی ان کی قدر شناسی کے معترف تھے:

اس بزم میں دھوپ اٹھا کے آتے ہیں جو لوگ
ہنس کر طوبیٰ لگُر علیؑ کہتے ہیں

ہر رنگ کے گُل جمع ہیں اس مجلس میں
یہ بزمِ عزا خُلد کا گلدستہ ہے

اور انیس کو یہ بھی احساس تھا :

اُس روز کریں گے یاد رونے والے
جس دن نہ انیس انجمن میں ہوگا

رثائی رباعیاں

رباعیوں کی ایک ضمنی صنف رثائی رباعیوں کی مستقل حیثیت میر انیس ہی نے منوائی۔ ان کے پہلے بھی رثائی رباعیاں مل جاتی ہیں۔ ہدایت، میر، مومن اور خود خاندانِ انیس میں میر حسن کے یہاں رثائی رباعیاں پائی جاتی ہیں، لیکن استثنائی حیثیت رکھتی ہیں۔ انیس نے رباعی کی اس شاخِ "رثائی" کو کمیت اور کیفیت دونوں ہی اعتبار سے باوثوق، معتبر اور ثقہ بنایا۔ اس معاملے میں دبیر اور دوسرے مرثیہ گو بھی انیس کے قدم بہ قدم چلتے نظر آتے ہیں، اُن کی رثائی رباعیوں کا انداز یہ ہے :

خوں میں شہِ مظلوم کا سینہ ڈوبا
بطحا ہوا برباد، مدینہ ڈوبا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اُڑاؤ، یارو
خشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

جب خاتمۂ شاہ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

انیس روتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں مگر اس کا سبب روح کی بالیدگی ہے اور ایسی رقتِ قلب جو اخلاقی بلندیوں کو چھونے کے قابل بناتی ہیں۔ انھوں نے صاف صاف کہا ہے :

روتے ہیں ریا سے سرِ مجلس جو انیس
اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

وہ آنسوؤں کو "آنکھوں کی ضیا تقویت قلب و دماغ" سمجھتے ہیں اور اس سے روحانی حظ حاصل کرتے ہیں :

نیساں کو خجل دیدۂ تر سے پایا
دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں
جو حظ غمِ شاہِ بحر و بر سے پایا
آئینہ خاطر کی جِلا ہے رونا
اور دیدۂ مردم کی ضیا ہے رونا

رثائی رباعیوں کے ہی پہلو بہ پہلو خالص اعتقادی رباعیاں بھی ہیں، مثلاً کربلا اور نجف کی زیارت کا شوق اور تعزیتِ امام سے ذوق۔ لیکن اگر مندرجہ بالا اشعار سے مربوط کرکے دیکھا جائے تو وہ بھی اخلاقی اقدار کے ضمن میں ہی آجائیں گے۔

فخریہ

انیسؔ نے فخریہ رباعیاں بھی کہی ہیں اور زمانے کی ناقدری کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ روایت مرثیے کی نہیں بلکہ قصیدے کی ہے اور اس کا رنگ و آہنگ بھی بیشتر وہی ہے۔ اگر ان کو دوسری ذاتی، سوانحی یا واقعاتی رباعیوں کے ساتھ ساتھ رکھا جائے تو یہ بھی رباعیوں میں موضوعات کی ایک باوقعت توسیع قرار پائے گی:

بے جا نہیں مدحِ شہ میں غرّا میرا
بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا
مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مر جاتے ہیں سُن کے روز مرّا میرا

اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیسؔ
رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

مضامین کی چوری ہم عصروں کا دلچسپ مشغلہ رہا ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ دونوں ہی نے دزدانِ معانی کا شکوہ کیا ہے۔ کچھ کو توارد بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ متحد المضامین رباعیوں کی موجودگی یہ بتاتی ہے کہ شاید یہ کاروبار خاصے پیمانے پر ہوتا تھا۔ انیسؔ کی شہرت کا تقاضا یہ تھا کہ لوگ انھیں مضامین کو اُلٹ پھیر کے نظم کرنے کی کوشش کریں۔ انیسؔ نے اس کی طرف کئی رباعیوں میں اشارے کیے ہیں:

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعثِ نغمہ سنجیِ بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی مُنہ جو زباں بند کروں

منبر سے ہم اُترے نئے مضموں پڑھ کر
ان کے لیے گویا من و سلوا اُترا
مضمونِ انیسؔ کا نہ چربا اُترا
اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا

اخلاقی رباعیاں

ان حاشیائی اضافات و ایجادات و انحرافات کی حیثیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن رباعی کا اصل میدان ہے اخلاق و حکمت کے مضامینِ عالیہ کو شعری قالب میں ڈھالنا اور کورے وعظ و پند کی سطح سے بلند کر کے، آفاقی حیثیت کی مدد سے تخلیقی لطافت پیدا کرنا۔ یہ میدان دیکھنے میں بیحد ہموار اور سادہ، بے نشیب و فراز اور بے خار و موانع نظر آتا ہے، لیکن برتنے ہی پر پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنا مشکل مرحلہ ہے۔ انیسؔ کی ایک مجبوری اور بھی ہے۔

وہ عام رباعی گویوں کی طرح آزاد نہیں ہیں کہ عاشقانہ اور رندانہ یا بقول مولانا حسرت موہانی "فاسقانہ" مضامین کی آمیزش یا حاشیہ آرائی سے بیان کی دلفریبی بڑھائیں۔ پھر خشک فلسفے کی گنجائش بھی رباعیوں میں نہیں ہے۔ وہی فلسفہ جو ہماری روزمرّہ کی زندگی سے براہِ راست علاقہ رکھتا ہو یا جس پر اجتماعی تصوّرات کی گہری چھاپ ہو، ان رباعیوں میں اُسی کی گنجائش نکلتی ہے۔ اور فلسفے کے بلند آہنگ نام کے باوجود اس قسم کی رباعیوں کا دامن پھر تنگ ہو جاتا ہے۔ اخلاقیات میں بہت کچھ فرسودہ اور گھِسا پِٹا بھی ہے۔ ایسی باتیں بھی ہیں جو صدیوں سے دُہرائی جاتی رہی ہیں۔ اخلاق قومی اور آفاقی روایات کا مجموعہ ہوتا ہے، اِن کی قدامت ظاہر ہے۔ دینی اخلاق کا ایک حصّہ قومی اور آفاقی اخلاق کا جُزو ہوتا ہے، جو قومی اخلاق سے ماورا ہوتا ہے وہ بھی سیاسی اور تاریخی عوامل سے قومی اور آفاقی اقدار کا حصّہ بنا لیا جاتا ہے۔ ان میں آزادیِ فکر محدود ہے۔ جدّت جو نظر آئے گی وہ تمثیلی استدلال یا ادبی اظہار کے ذریعے پیدا ہوگی اور اس میں زندگی اور فکر کی گرمی ذاتی اور اجتماعی تجربات کے شمول سے پیدا کی جائے گی۔ ایسی رباعیوں کی فضا دوہوں جیسی ہوتی ہے لیکن دوہوں کے مقابلے میں، رباعیوں میں ادبی عنصر کی مانگ زیادہ ہوتی ہے۔ انیسؔ اس منزل سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ انھوں نے اخلاقی رباعیوں کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے وہ بہت وسیع اور متنوع اور ادبی اعتبار سے استوار ہے۔ امداد امام اثرؔ نے انیسؔ و دبیرؔ کی رباعیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان دونوں نے اُردو میں رباعی نگاری کی شرم رکھ لی[۱]۔ اگرچہ اثرؔ نے انیسؔ اور دبیرؔ دونوں ہم عصروں کا نام ایک ساتھ لیا ہے لیکن انیسؔ کا مرتبہ یقیناً بلند تر ہے۔

عام طور سے اخلاقی رباعیوں کا ابتدائی سبق دُنیا کی بے ثباتی سے شروع ہوتا ہے۔ اس بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ انیسؔ نے بھی اس پر کافی اضافے کیے ہیں لیکن انھوں نے دُنیا کو مایا جال یا دھوکا نہیں کہا ہے۔ تمام سائنسی انکشافات کے باوجود کائنات نے اپنے تمام سربستہ راز زمین کے سینے پر بسنے والوں کے اوپر منکشف نہیں کیے ہیں اور اس کی

---

[۱] کاشف الحقائق ۲: ۲۸٦

حیرت خیزی انیسؔ کے لیے بھی ایک معمّہ ہے :

لالے سے عیاں بہارِ سرجوشی ہے
نرگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے
کیسی یہ گو مگو ہے اے ربِّ کلیم
بلبل نالاں ہے، گُل کو خاموشی ہے

آنکھیں کھولیں مگر یہ پردا نہ کھلا
سب ہم پہ کھُلا پہ حالِ دُنیا نہ کھُلا
دریائے تفکّر میں رہے برسوں غرق
مانندِ حباب یہ معمّا نہ کھُلا

اور سب راز نہ کھُلے ہوں یا ادھورے کھُلے ہوں لیکن یہ راز بخوبی آشکارا ہے کہ یہ دُنیا بے ثبات ہے۔ اس پہلو کو غزل گویوں، قصیدہ نگاروں، مثنوی نگاروں غرض ہر صنفِ سخن کے برتنے والوں نے نظم کیا ہے اور ہر مُلک اور ہر زبان کا ادب اس طرح کے خیالات و تصوّرات سے بھرا پڑا ہے۔ اُردو کے رباعی گویوں نے اس میں متعدّد اضافے کیے ہیں۔ انیسؔ کے یہاں بھی ایسے مضامین نظم ہوئے ہیں لیکن ان کا حریری لمس حساس طبیعتوں کو محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتا :

پُرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے
ہر گُل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہِ گریہ پوچھی تو کہا
رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

جو شے ہے فنا اسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے!؟

ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

عمر کی ناپائداری پر سالگرہ کا ہلکا پردہ ڈال کر کس مزے سے کہا ہے :

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سال گرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھُلا
یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

اور اس دُنیا کی ہر شے فانی ہے تو عرصۂ حیات کو غنیمت جان کر عملِ خیر کرنا چاہیے :

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو! کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا!!
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جُز یاس
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں
نے مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو
ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا
عقبیٰ کا نہ کچھ ہائے سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس انیسؔ
کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

پیدا کیا سب کچھ تو مگر آہ انیسؔ
زادِ سفرِ مرگ مہیّا نہ کیا

اگر دُنیا اور اس کے مال و دولت سب کو فنا ہے تو پھر انسان کس بات پر غرور کرتا ہے۔
علم، عزّت دُنیاوی اور دولت کسی پر بھی غرور نہ کرنا چاہیے :

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے؟
پیری میں بشکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو
مغرور نہ ہو، صاحبِ ادراک ہے تو
بالفرض گر آسماں پہ ہے تیرا مقام
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

عملِ خیر کے علاوہ، دوسروں کی محنت پر بھروسا نہ کرنا چاہیے بلکہ خود بھی محنت و مشقّت کو شعار بنانا چاہیے اور علم جہاں بھی ملے حاصل کرنا چاہیے :

جو سو خرمن سے خوشہ چیں ہوتا ہے
دانا ہے جہاں وہ نکتہ بیں ہوتا ہے
ملتا نہیں نامِ نیک بے کاہشِ جاں
کٹتا ہے عقیق تب نگیں ہوتا ہے

انیسؔ کی کتابِ اخلاق میں دوستی کی بھی بڑی قدر ہے لیکن انھیں یہ افسوس ہے کہ دوست کم ہوتے جا رہے ہیں اور دلوں کی کدورتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ انیسؔ کا بنیادی پیغام دوستی اور محبت ہی ہے :

مال و زر، و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں، طبل و علم ملتا ہے
عنقا، گوگرد، سرخ پارس، اکسیر
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

اُلفت ہے، نہ پاسِ ربطِ دیرینہ ہے
مُنہ پر تو ہیں صاف، قلب میں کینہ ہے

گر کیجیے امتحاں تو قلعی کھل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

مومن کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ موت سے نہ ڈرے۔ انیسؔ نے بار بار موت کا، لحد کا ذکر کیا ہے اور موت کو یاد کر کے نیک اعمال کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی ضمن میں مال و متاع پر فخر کرنے والوں کو یہ بھی یاد دلایا ہے کہ ایک دن انھیں بھی یہ منزل درپیش ہوگی :

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ؟
جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ
قرآں لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے
اک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

بزدلوں کی طرح قبر کے نام سے ڈرنا، انیسؔ کا شعار نہیں :

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

ذاتی

خاتمۂ کلام میں انیسؔ ہی کی زبان سے ان کے کلام اور ان کی خوانندگی کے بارے میں کچھ سننا بہتر ہوگا :

لفظوں میں نمک، سخن میں شیرینی ہے،
دعوائے ہنر، نہ عیب خود بینی ہے
مدّاحِ گلِ گلشنِ زہرا ہوں میں
غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے

اندازِ سخن تم جو ہمارے سمجھو
جو لطفِ کلام ہیں وہ سارے سمجھو
آواز گرفتہ گر ہے اس ذاکر کی
پہروں روؤ اگر اشارے سمجھو

اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیسؔ
رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

مردُم کی پلک ہلی کہ مطلب سمجھا　　ہر اک کی نگاہ کا زباں داں ہوں میں

رباعیوں کی تدوین

کلامِ انیسؔ ہی پر موقوف نہیں، بیشتر مرثیہ گویوں کے کلام کی تدوین بڑی احتیاط کی طالب ہے۔ مختلف مرثیہ گویوں کا کلام آپس میں بُری طرح خلط ملط ہو گیا ہے۔ سبھی جگہ، بہت سا کلام الحاقی ہے اور اکثر جگہوں پہ قطع و برید اور فکّ و اصلاح کا عمل ہوا ہے۔ کچھ تو کم سواد مرثیہ خوانوں کا کرشمہ ہے اور کچھ کاتبوں یا مرتّبوں کا۔ شہرتِ عام نے عوام و خواص کو کلامِ انیسؔ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ پڑھنے والے اور سُننے والے انیسؔ کے نئے کلام کی تلاش میں رہتے تھے۔ غیر محتاط لوگ دوسروں کا کلام انیسؔ کے نام سے پیش کرنے میں عار نہ رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے کلام کی حد تک صورتِ حال اور بھی ناصاف ہو گئی ہے۔ اُن کا خاندان مرثیہ گویوں کا خاندان تھا۔ سبھی اس صنف میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ بزرگوں میں میر حسنؔ اور خلیقؔ نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ دوسرے پیشروں میں ضمیرؔ، فصیحؔ اور دلگیرؔ وغیرہ ہیں۔ طرزِ جدید کے مرثیوں میں الحاق کی گنجائش کم تھی لیکن طرزِ قدیم کے مراثی سلاموں اور رباعیوں میں ساری دیواریں گرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ رباعی گویوں میں اہلِ خاندان میں میر حسنؔ اور خلیقؔ ہیں۔ میر حسنؔ کی رباعیاں تو ان کے کلیات میں موجود بھی ہیں لیکن خلیقؔ کی رباعیوں کا پتہ نہیں چلتا۔ آخر وہ سب رباعیاں کس کی تحویل میں ہو سکتی ہیں؟ یہ مان لینے کا قرینہ نہیں ہے کہ خلیقؔ جیسے باضابطہ شاعر اور مرثیہ گو نے رباعی کی طرف توجّہ ہی نہ کی ہو گی۔ ایک گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ ورثا میں بنٹ گئی ہوں گی۔ فصیحؔ کی رباعی گوئی مسلّم ہے۔ اُن کے مرثیوں ہی کی طرح رباعیوں پر بھی آفت آئی۔ ان سب کو کون پرکھے اور کیسے؟ انیسؔ و دبیرؔ و مونسؔ و فصیحؔ کا کلام بھی گھُل مل گیا ہے۔ ان سب کی چھان پھٹک جتنی ضروری ہے اُتنی ہی مشکل ہے۔

جہاں تک انیسؔ کی رباعیوں کا تعلق ہے، ان کی تدوین ایک صدی پہلے شروع ہو گئی تھی۔ ابتدا میں یہ رباعیاں الگ سے نہیں بلکہ مراثی کے مجموعوں کے ساتھ ضمنی طور پر شائع ہوئیں۔ مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۰ء میں مراثی انیسؔ کی اشاعت شروع ہوئی۔ یکے بعد دیگرے مراثی کی چار جلدیں طبع ہوئیں۔ ان میں مجموعی طور پر تین

سو اٹھہتر (۱۷۸) رباعیاں بھی نیچے درج کی ہوئی صراحت کے ساتھ شامل تھیں:

۱- جلد اول میں ۸۷ رباعیاں
۲- جلد دوم میں ۳۴ رباعیاں
۳- جلد سوم میں ۴۰ رباعیاں
۴- جلد چہارم میں ۱۱۷ رباعیاں

اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں سید علی حسین نے ۹۶۰ رباعیوں کا ایک مجموعہ یوسفی پریس دلی، سے "مجموعۂ" رباعیات کے نام سے شائع کیا۔ یہ تنہا انیس کی رباعیوں کا مجموعہ نہیں تھا۔ بلکہ اس میں انیس، دبیر، مونس وغیرہ کی رباعیاں بھی یکجا کی گئی تھیں۔ اس کے بعد تنہا انیس کی رباعیوں کے مجموعے شائع ہونے لگے۔ اب تک حاصل شدہ اطلاع کے مطابق سید محمد حسن بلگرامی کا مرتب کیا ہوا مجموعہ سب سے پہلے طبع ہوا۔ اس کے بعد متعدد مجموعے اور شائع ہوتے۔ ان کی تفصیل یوں ہے:

۱- رباعیات انیس: مرتبہ سید محمد حسن بلگرامی (۱۹۰۹ء)۔ اسے ۱۹۷۹ء میں اُتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے دوبارہ چھپوایا۔

۲- انیس اخلاق: مجریہ دار التصنیف امیریہ، محمود آباد (نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۳۹ء)

۳- رباعیات انیس: مرتبہ عالم حسین (نظامی پریس لکھنؤ، سنہ ندارد) اس کے ایک سے زیادہ ایڈیشن شائع ہوئے۔

۴- رباعیات انیس: عمر فیضی (لاہور، ۱۹۵۶ء)

۵- رباعیات انیس: مرتبہ سید محمد عباس (نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۹۴۷ء)

اس طرح سب سے پہلا مجموعہ ۱۹۰۹ء کا مطبوعہ ہے اور سب سے آخری ۱۹۴۷ء کا۔ پہلے مجموعے میں صرف ایک سو پینتالیس رباعیاں تھیں اور محمد عباس کے مرتبہ مجموعے میں، جو راجہ صاحب محمود آباد کی ایما پر مرتب ہوا تھا، پانچ سو بارہ رباعیاں شامل تھیں۔ سید محمد عباس نے اس کے بعد بھی تلاش جاری رکھی اور وہ اپنے ذاتی نسخے میں اضافے کرتے رہے۔ لیکن وہ صرف چار اور رباعیوں کی نشاندہی کر پائے۔ اس طرح چند قطعات کو شامل کر کے انیس کی دریافت شدہ رباعیوں کی تعداد پانچ سو سولہ (۵۱۶)

ہوگئی۔ جو حضرات رباعیوں پر مزید کام کرنا چاہیں وہ نظامی پریس، بدایوں، نول کشور پریس، لکھنؤ، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اور بک لینڈ کراچی سے شائع شدہ مراثی کی جلدوں میں شامل رباعیوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ نقوی کے اشاریے میں ان کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ "روحِ انیس"، "یادگارِ انیس"، "حیاتِ انیس" اور "واقعاتِ انیس" میں کچھ رباعیاں شامل ہیں۔

کچھ دن پہلے ضمیر اختر نقوی نے "کلیدِ گنجینۂ انیس" کے عنوان سے انیس کے مراثی، سلام اور رباعیوں کے الگ الگ اشاریے مرتب کیے جو جریدۂ "ماہ نو" کراچی کے انیس نمبر کے اضافی شمارے میں طبع ہوئے۔ محنت اور تلاش سے مرتب کیے ہوئے یہ اشاریے بڑی حد تک جامع ہیں۔ اس میں ۵۵۴ رباعیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے اشاعت کے کچھ عرصے بعد ڈاکٹر اکبر حیدری نے "باقیاتِ انیس" طبع کرائی جس میں انیس کی اڑتالیس مزید رباعیاں اس دعوا کے ساتھ پیش کیں کہ یہ ضمیر اختر کے مرتبہ اشاریے کے علاوہ ہیں۔ اگر اس دریافت کو صحیح باور کیا جا سکتا تو میر انیس کی معلوم رباعیوں کی تعداد بڑھ کر چھ سو دو ہو جاتی، لیکن صورت حال مختلف نکلی۔

پہلے ضمیر اختر نقوی کے اشاریے کو لیجیے۔ بدقسمتی سے ان کا اشاریہ ہندوستان تک بہت دیر میں پہنچا۔ اس وقت میرا مرتب کردہ مجموعہ رباعیات پریس جانے کو تیار تھا۔ ایسی منزل پر اس اشاریے کا تفصیلی جائزہ ممکن نہیں ہو سکا۔ یہاں بعض انھیں باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بادی النظر میں کھٹکتی ہیں۔

۱) رباعی ع "مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے" اشاریے میں مکرّر درج ہوگئی ہے۔ ایک بار اشاریے کے شمارۂ ۴۵ کے مقابل "بزمِ عزا" کے زیرِ عنوان اور دوسری بار شمارۂ ۴۶۹ کے سامنے "اہلِ مجلس کا پسینہ" کے تحت۔

۲) اسی طرح رباعی ع "مضمون گہر ہیں اور صدف سینہ ہے" شمارۂ ۴۴۶ کے تحت بھی "توصیفِ سخن" کے ذیل میں درج ہے اور شمارۂ ۴۰ کے سامنے "حاسدوں کی شکایت" کے ضمن میں بھی۔

۳) ایک اور رباعی ع "یاں دولت فقر مصطفیٰ دیویں گے" شمارۂ ۴۵۵ کے سامنے اور دوبارہ "یاں" کو "ہاں" میں تبدیل کر کے شمارہ ۴۹۴ کے مقابل درج کیا

گیا ہے۔

۴) ایک اور رباعی تغیرّ قوافی کے ساتھ مکرّر درج ہوئی ہے۔ ع "روتے ہیں نہ فریاد و فغاں کرتے ہیں" ایک سے زیادہ مآخذ میں موجود ہے۔ لیکن ع "روتے ہیں نہ فریاد و فغاں کرتے ہیں" عالم حسین کے مرتب کیے ہوئے مجموعۂ رباعیات سے نقل ہوئی ہے۔ مجموعہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پہلے دو مصرعوں میں علی الترتیب "فغاں" اور "جہاں" کے قوافی "بکا" اور "سرا" کی تصحیف ہیں۔ چوتھے مصرعے میں عالم حسین نے بھی "فدا" کا قافیہ جوں کا توں رہنے دیا ہے۔ ان کو مجموعے سے خارج سمجھنا چاہیے۔

۵) ع "اک روز فراق جان و تن میں ہوگا" یہ مطلع ضمیر اختر نقوی نے عالم حسین کے مجموعۂ رباعیات سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کی صحیح شکل ع "دردا کہ فراق جان و تن میں ہوگا" ۔ "اودھ اخبار" لکھنؤ کی ہم عصر شہادت ہے کہ میر نفیس نے یہ رباعی اسی طرح میر انیس کی مجلس چہلم میں پڑھی تھی۔ اس کی صحت میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ضمیر اختر نے اس روایت کو مسترد کر کے عالم حسین کی روایت پر اس کی جگہ ع "اک روز فراق جان و تن میں ہوگا" کو ترجیح دی ہے۔ یہ نا قابل قبول ہے۔ سید محمد عباس نے "دردا" ہی کو بجا طور سے قبول کیا ہے۔ اس سے، بہ ہر حال، شمارِ رباعیات پر فرق نہیں پڑتا کیوں کہ ضمیر اختر نے "دردا" کی روایت کو اشاریے میں شامل ہی نہیں کیا ہے۔

۶) بعض رباعیات دوسرے شعرا سے بھی منسوب ہیں۔ ان کی فہرست نیچے درج کی جاتی ہے۔

ا۔ میر ضمیر سے بھی منسوب

۱۔ آرام سے کسی دن تہہِ افلاک رہے (بہ ادنیٰ تغیرّ)

ب۔ مرزا دبیر سے بھی منسوب

۱۔ احساں نہیں گر بزم عزا میں آئے

۲۔ دنیا عجیب کارخانہ دیکھا (خارج)

۳۔ حیدر نے دم بذل نہ کیا کیا بخشا (خارج)
۴۔ ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
۵۔ مولا جو وہاں حکمِ قدر سے پایا (خارج)
۶۔ میزانِ سخن سنج میں تلتا ہوں میں
۷۔ بندوں پہ کرم حضرتِ باری کا ہے

ج۔ مونس سے بھی منسوب

۱) مظلوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہو گا
۲) دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
۳) دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
۴) ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو
۵) عمر اپنی غمِ شہ میں بسر کر لے تو
۶) اُسی ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے
۷) تیر غمِ شہ سینے میں پیوستہ ہے
۸) جب شام کے زنداں میں حرم قید ہوئے
۹) خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے
۱۰) لفظوں میں نمک، سخن میں شیرینی ہے (تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ)

ان میں سے تین رباعیاں اس مجموعے میں اس لیے شامل نہیں کی گئیں کہ ان کے کلامِ دبیر ہونے کے قوی شواہد موجود ہیں۔ ع "دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا"۔ یہ رباعی دبیر کے مجموعہ کلام "سبع مثانی" اور "رباعیاتِ دبیر" دونوں جگہ موجود ہے۔ اگرچہ بعض نسخوں میں انیس سے بھی منسوب ہے لیکن خود خاندانِ انیس کے ایک باخبر فرد، سید محمد عباس نے اس کا کلامِ دبیر ہونا تسلیم کر کے اپنے مرتبہ مجموعے سے اس کو خارج کر دیا ہے۔ اسی طرح ع "حیدر نے دم بذل نہ کیا کیا بخشا" ایک قدیم اور معتبر ماخذ۔ کاشف الحقائق (۲ : ۲۹۵) میں دبیر کے نام سے درج ہے۔ امداد امام اثر رثائی ادب پر نظر رکھتے تھے۔ ان کی شہادت کو قوی تر شہادت کے بغیر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اسی عنوان سے، رباعی ع "مولا جو وہاں حکم قدر سے پایا"، بھی دبیر کی ملکیت قرار پائی ہے۔ اوپر ان تینوں رباعیوں کے مطلعوں کے آگے میں نے لفظ "خارج"، قوسین میں لکھ دیا ہے اور اس مجموعے میں شامل نہیں کیا ہے [1]

اس کے برعکس دبیر سے منسوب اور رباعیاں جیسے ع "ہرچند کہ خستہ و حزیں ہے آواز"، قطعی اور حتمی طور سے دبیر کی ثابت نہیں ہوتی۔ انھیں اس مجموعے میں شامل رہنے دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اسی رباعی ع "ہرچند کہ خستہ و حزیں ہے آواز"، کو لے لیجیے۔ یہ یوسفی پریس کے شائع کردہ (۱۹۰۱ء) مجموعے میں موجود ہے اور پھر انیس کے مراثی کی جلد اول (نول کشور) میں بھی نقل ہوئی ہے۔ ان قدیم تر ماخذ کی موجودگی میں اس کو انیس کے مجموعے سے کیسے خارج کیا جا سکتا ہے؟

مُدوّن کی حیثیت سے جس کشادہ دلی اور وسیع النظری کا ثبوت سید محمد عباس نے دبیر کی مشکوک رباعیوں کے سلسلے میں دیا تھا اور جس کا مظاہرہ ضمیر کے اشتراک کے سلسلے میں بھی کسی حد تک کیا ہے، وہ مونس کی رباعیوں کے سلسلے میں نظر نہیں آتا۔ مونس ایک خوش گو اور خوش فکر شاعر تھے۔ یہ ان کی خوش نصیبی اور بد نصیبی دونوں

---

[1] ان تینوں نکالی ہوئی رباعیوں کے متون صرف حوالے کی غرض سے یہاں حاشیے میں دیے جا رہے ہیں!

مولا جو وہاں حکم قدر سے پایا
کعبے نے شرف علیؑ کے در سے پایا
ہاتھوں پہ لیے نبیؐ یہ کہتے نکلے
لو، ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا

دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا
کس کس کا تہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زرّیں
تربت پہ نہ ان کی شامیانہ دیکھا

بندوں پہ کرم حضرت باری کا ہے
مقدور کسے شکر گزاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو
ثمرہ یہ خیالِ خاکساری کا ہے

(مرزا دبیر)

ہی تھی کہ وہ انیس کے چھوٹے بھائی تھے اور اپنا کلام احتراماً بھی اور ادبی ضرورت کے ماتحت بھی، انیسؔ کو دکھاتے تھے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کی جو رباعیاں ان کے مطبوعہ ہائے مراثی و سلام وغیرہ میں پائی جائیں، اُن پر اُن کا حق تسلیم کرنے میں مدتوں بعد پس وپیش ہی نہ کیا جائے بلکہ سرے سے ان کی ملکیت سے انکار کردیا جائے، قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے یہ رباعیاں اس مجموعے میں شامل تو کرلی ہیں مگر چاہتا ہوں کہ ارباب تحقیق اس حقیقت کو نظر میں رکھیں کہ ان کی نسبت فی الحال نزاعی ہے اور ان کا شمول کسی ایک کے مصنف ہونے یا نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

مزید تحقیق و تفتیش کے بغیر ان مشکوک یا مشترک رباعیوں کو حتمی طور پر انیسؔ کی رباعیاں قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ انیسؔ پر اس طرح کی تحقیق کا کام اب شروع ہوا ہے۔ اس کی ابتدا مرحوم پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ نے کی تھی۔ اب کئی حضرات میدان میں آگئے ہیں۔ پاکستان میں سید مرتضیٰ حسین فاضل صاحب تحقیقی مزاج کے ساتھ اس کام میں مصروف ہیں اور ہندوستان میں ڈاکٹر نیر مسعود اور ڈاکٹر اکبر حیدری چھان بین میں لگے ہوئے ہیں۔ اور حضرات بھی متوجہ ہو رہے ہیں، لیکن یہ کام ایک دو دن میں انجام نہیں پا سکتا۔ انیسؔ کے کلام کے ذخیرے، مخطوطات اور مطبوعات دونوں، برِّصغیر ہند و پاکستان میں ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا احاطہ کرنے کے لیے بھی وقت اور ریاض درکار ہے۔ نہ کاروانِ تحقیق کو رُکنا چاہیے اور نہ جتنا کام، انفرادی یا اجتماعی طور پر اس وقت ہو سکتا ہے، اُسے بند ہونا چاہیے۔ اسی خیال سے میں نے انیسؔ کے سلاموں، رباعیوں، نوحوں، مناجاتوں اور تضمینوں وغیرہ کو انیسؔ صدی کے موقعے پر یکجا کرنے کی ذمّہ داری قبول کی تھی۔ اس میں کہیں بھی حرفِ آخر کی منزل نہیں آئی ہے اور میں کھُلے دل سے اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس مجموعے میں بھی الحاق و تصحیف کی گنجائشیں باقی ہیں اور ان پر تحقیق کو نہر جاری کی طرح آگے چلتے بڑھتے رہنا چاہیے تاکہ آنے والے زمانے میں بہتر متن کی تیاری ممکن ہو سکے۔ پھر بھی جہاں کہیں شک و شبہ کی گنجائش نکلی ہے اُس کی نشان دہی کر دی ہے اور حتی الوسع اختلافاتِ متون بھی ظاہر کر دیے ہیں۔ اس سے کسی حد تک مزید تحقیق کی راہ میں آسانی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام تحفظات، شبہات اور امکانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور دبیر کی خارج کردہ تین رباعیوں کو ہٹا دینے کے بعد، ضمیر اختر نقوی کے اشاریے میں صرف ۵۴۵ رباعیاں بچ جاتی ہیں۔ ان میں بھی سب رباعیاں نہیں ہیں۔ کم سے کم یہ چار تو قطعات ہیں:

(۱) غافل تجھے کیوں خواہشِ دنیاے دنی ہے
(۲) غفلت میں نہ عمر کو بسر کر
(۳) میرے مولا قُل ہو اللہُ اُحد کے واسطے
(۴) مومنو یہ مقام زاری ہے۔

محتاط مرتبین مثلاً سید محمد حسین بلگرامی نے اپنی مرتبہ "رباعیات انیس" میں ان میں سے (۲) اور (۴) کو قطعات ہی کے تحت درج بھی کیا ہے۔ لیکن میں نے انھیں مجموعے میں اس لیے رہنے دیا ہے کہ انیس کے معلوم قطعات کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اور رباعیوں کے ساتھ شائع کرنے کے علاوہ ان کی جمع آوری کی کوئی معقول صورت نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ با مطلع قطعات کو اچھے خاصے لوگ بھی رباعیات کے زمرے میں گن لیا کرتے ہیں۔ میں نے اتنی احتیاط اور برتی ہے کہ قطعات کے آغاز میں واضح طور سے لفظ "قطعہ" لکھ دیا ہے۔

ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی نے مندرجۂ ذیل چار رباعیوں اور ایک قطعے کے صرف مطلع دیے ہیں اور ان کا ماخذ نہیں بتایا ہے۔ ان کے متون دستیاب نہیں ہیں، اس لیے ان کو مجموعے میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ میں نے ان کو کئی بار یاد دہانی کرائی لیکن ع " واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں"۔ ویسے وہ مجھے اس کے پہلے معلومات فراہم بھی کرتے رہے ہیں لیکن اس معاملے میں ان کی عنایتوں نے میری گزارشوں کا ساتھ نہ دیا۔ بہر حال، وہ مطلع یہاں درج کیے جاتے ہیں:

۱) اقبال کا در حسامِ حیدر سے کھلا
۲) حقّا فلکِ شرف کا خاور ہے علی
۳) ذرّے کو فروغ مہر تاباں بخشے
۴) فردوس میں رہنے کو علی گھر دیں گے

۵) میرے مولا قُل ہو اللہ اَحد کے واسطے (قطعہ)
(اگر متون دستیاب ہو گئے تو انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کر دی جائے گی)
نقوی صاحب نے کئی رباعیوں کا ذکر عالم حسین کے مرتبہ مجموعے کے حوالے سے کیا ہے۔ چھان بین کے بعد، ان میں صرف بارہ رباعیاں ایسی ملیں جو کہیں اور نظر سے نہیں گزریں۔ یہ سب ضمیمہ (ب) میں درج کر لی گئی ہیں۔ عالم حسین کے مجموعے کے سلسلے میں ابھی تصدیق کی ضرورت ہے کیوں کہ خود انھوں نے اپنے ماخذ کا کہیں حوالہ نہیں دیا۔

اب "باقیاتِ انیس"، مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری کا تجزیہ اور باقی رہ جاتا ہے۔ انھوں نے یہ دعوا کیا ہے کہ جو اڑتالیس رباعیاں "باقیات انیس" میں شائع کی گئی ہیں وہ سب کی سب غیر مطبوعہ ہیں اور ان کا ذکر ضمیر اختر نقوی کے اشاریے میں بھی نہیں آیا ہے جب نظرِ غور سے دیکھا تو کم از کم حسب ذیل سات رباعیاں صرف جزوی اختلاف متن کے ساتھ اشاریے میں موجود ملیں:

باقیات انیس	اشاریہ ضمیر اختر نقوی
۱۔ رونے میں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں	۱۔ روتے ہیں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں
۲۔ وحشت سایے سے ہے وہ دیوانہ ہوں	۲۔ سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
۳۔ عازم طرفِ عالمِ بالا ہوں میں	۳۔ راہی طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
۴۔ یکتا ہے جو مدّاح مدام اُس کا ہوں } واحد ہے جو عبدِ نیک نام اس کا ہوں	۴۔ واحد ہے جو عبدِ نیک نام اس کا ہوں
۵۔ افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے	۵۔ افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گیے
۶۔ لے زیرِ قدم لحد کا باب آپہنچا	۶۔ اب زیرِ قدم لحد کا باب آپہنچا
۷۔ ہر آن گھٹی جاتی ہے طاقت میری	۷۔ ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری

اس کے علاوہ (۸) ع "دِل میں جب مُسلمِ بیکس کا خیال آتا ہے" اور (۹) ع "محرّم آیا، الم کا پیام آپہنچا"، قطعات ہیں رباعیاں نہیں۔
ان میں ایک اور رباعی ہے:

بستی کو اجاڑ کر بسایا ہے اِسے | گھر اپنا بگاڑ کر بنایا ہے اِسے
سوئیں گے لحد میں پاؤں پھیلا کے انیسؔ | کھویا ہے جو نقدِ جاں تو پایا ہے اسے

اس سے ملتی جلتی انیسؔ کی ایک اور رباعی ہے۔

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے | رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر! | میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

اسی مضمون کی دبیرؔ کی بھی رباعی ہے:

گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو | ڈھانپا جو کفن منھ نہ دکھایا تجھ کو
اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش | جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

انیسؔ کے مرتبے کے شاعر سے صرف لفظی الٹ پھیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ایک ہی رباعی کی یہ دو شکلیں ہوں جو انیسؔ کی نظرِ ثانی اور ابتدائی مسودے کی عکاس ہوں یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ "باقیاتِ انیس" میں درج رباعی دبیرؔ و انیسؔ کی ان متحد المضامین رباعیوں کو دیکھنے کے بعد تعریف و الحاق کے وسیلے سے وجود میں آئی ہو۔ بہر صورت، یہ ناقابلِ قبول ہے۔ آخری مصرعہ انیسؔ ہی کے مصرعے ع "میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے" سے ماخوذ ہے۔ اور دوسرا ادنیٰ تغیر جیوں کا تیوں دبیرؔ کا ہے۔ اس مشکوک رباعی کا یہاں مقدمے میں ذکر تو کر دیا گیا ہے لیکن اس مجموعے کے متن میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، "باقیاتِ انیس" میں ایک اور رباعی کا مطلع ہے ع "جو قصر کرے دل کو قیصر وہ ہے" مصرع ناموزوں اور بے معنی ہے۔ میں نے کسی جگہ اس مصرعے کو یوں بھی پڑھا تھا۔" ع جو قصر کرے اَمَل کو قیصر وہ ہے۔ غالباً 'دل'، 'اَمَل'، ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مولفِ "المیزان" نے یہ رباعی دبیرؔ سے منسوب کی ہے اور وہاں مصرعۂ اولیٰ کی شکل یہ بتائی ہے: ع جو قصر کرے حرص کو قیصر وہ ہے" 'حرص'، کو گھٹانے کا نہیں ختم کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے صرف 'قصرِ اَمَل'، (خواہش کے گھٹانے) کا اخلاقی درس اسلام نے دیا ہے۔ 'خواہش' اور 'حرص'، کا فرق واضح ہے۔ ممکن ہے کہ اصلی شکل وہی ہو جو میں نے کہیں پڑھی تھی۔ خیر، یہ ضمنی بحث ہے۔ جب رباعی ہی دبیرؔ کی ہے تو اس پر مزید خیال آرائی بے سود ہے اور میں نے

"باقیات"، کے مقابلے میں "المیزان" اور "رباعیات دبیر" کی روایات کو صحیح تسلیم کیا ہے۔
ان دو رباعیوں کو نکال لینے کے بعد "باقیات انیس"، سے حاصل شدہ مواد کی بنا پر صرف سینتیس[۳۷] رباعیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک قطعہ بھی شامل ہے۔ اکبر حیدری نے ان رباعیوں کا ماخذ سید محمد رشید کے ذخیرۂ مراثی کو بتایا ہے لیکن خود رشید صاحب کے نزدیک ان کی حیثیت غیر یقینی اور ناستوار ہے۔ پھر بھی، متون کی موجودگی، رشید صاحب کے یہاں بعض نسخوں میں ان کا سراغ ملنا اور ابھی تک کہیں اور ان کا نہ پایا جانا ایسے امور تھے جن کے پیش نظر ان رباعیوں کو ایک سوالیہ نشان کے ساتھ ضمیمہ (الف) میں شامل کر لیا گیا ہے۔

ضمیمہ 'ج' میں ایک رباعی "روح انیس"، کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ یہ ہم سب بچپن سے پڑھتے اور سنتے چلے آئے ہیں اور بے شرکت غیرے انیس کی تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُن کے کسی مجموعۂ مراثی یا مجموعۂ رباعیات میں یہ رباعی شامل نہیں ہے۔ اگر "روح انیس"، میں شامل نہ ہوتی تو میں اسے اس مجموعے میں شامل نہ کرتا لیکن مسعود حسن رضوی جیسے انیس شناس اور اعلا پایے کے محقق کی کتاب میں اسے دیکھ کر اس لیے شامل کر لیا ہے کہ انھوں نے ضرور تحقیق کر لی ہوگی۔ اُن کے نانا سے انیس کے خاصے تعلقات تھے۔ ممکن ہے کہ انھیں سے معلوم ہوا ہو۔

اب اس مجموعے میں پانچ سو تراسی[۵۸۳] رباعیاں ہیں، جن میں چند قطعے بھی شامل ہیں۔ اگر ان پانچ رباعیوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کے پورے متن حاصل نہیں ہو سکے ہیں اور صرف مطلعے، حوالے کے بغیر ضمیر اختر نے دیے ہیں تو یہ تعداد ۵۸۸ ہو جائے گی۔ اس پر مستزاد رباعی ۸ ع افسوس کہ شمع عیش خاموش ہوئی۔ اس کا مطلع مطبع یوسفی کے مجموعۂ رباعیات کے حوالے سے ضمیر اختر نے اشاریے میں شامل کیا ہے۔ یہ مجموعہ میری دست رس سے دور ہی رہا اور اس رباعی کی نقل بھی حاصل نہ ہو سکی۔ مل جاتی تو کل تعداد بڑھ کر ۵۸۹ ہو جاتی۔ اب تک انیس کے مطبوعہ مجموعہ کو رباعیات میں صرف ۵۱۲ رباعیاں تھیں۔ اب ان میں ۷۶ رباعیوں کا اضافہ ہوا ہے۔ یہاں یہ بات ایک بار اور دہرانے کی ہے کہ یہ سارا مواد مزید تحقیق و تفتیش کا طالب ہے۔

ایک بات کی طرف اور بھی اشارہ کر دینا مناسب ہوگا۔ کئی رباعیاں ایسی ہیں جن کے انداز بیان سے یہ گمان گزرتا ہے کہ یا تو یہ انیسؔ کی ابتدائے مشق کا کلام ہے یا خلیقؔ کے آخر عمر کا متروکہ یا پھر کسی اور کا۔ لیکن صرف انداز بیان کے قیاسی فرق پر کوئی فیصلہ صادر کر دینا غلط ہوگا۔ ابتدائے مشق کا کلام تو انیسؔ کا ہی ہے۔ متروکہ بھی انھوں نے قبول کر لیا تو اخلاقی طور پر اُن کا ہوگیا، لیکن فنی طور پر نہیں۔ یہاں ان قیاس آرائیوں کا مقصد صرف امکانات کی نشان دہی اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے کئی رباعیوں کے بارے میں مزید تحقیق کی گنجائش نظر آتی ہے۔ اگر کسی طرح یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ ابتدائے مشق میں اُن کی رباعیوں کا کیا انداز تھا تو نقدِ انیسؔ کے کام آئے گا۔ یہ صورتِ حال آنے والے اور جواں نظر محققین کے لیے صلائے عام ہے۔

عام طور سے سیّد محمد عبّاس کے ترتیب دیے ہوئے مجموعہ "رباعیاتِ انیسؔ" ہی کو بنیادی متن قرار دیا گیا ہے۔ حواشی میں اختلافِ متون کو واضح کر دیا گیا ہے۔ جہاں رباعیاں صرف ایک ہی ماخذ سے حاصل ہوئی ہیں وہاں بھی اگر کوئی خلا یا واضح تسامح نظر آتا ہے تو قیاس سے وہ خلا پُر کر دیا گیا ہے۔

آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا ہر خادمِ ادب کے فرائضِ منصبی میں داخل ہوتا ہے جنھوں نے تصنیف یا تالیف کی مختلف منزلوں میں مواد اور معلومات کی فراہمی میں مدد کی ہو۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے سے بعض رباعیوں کی فراہمی کا کام مرحوم نائب حسین نقوی صاحب نے انجام دیا تھا اور انھوں نے ہی سیّد محمد عبّاس صاحب کا وہ نسخہ بھی عنایت کیا تھا جس میں چند غیر مطبوعہ رباعیوں کی نشان دہی محمد عبّاس نے کی تھی۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کی تصنیف "باقیاتِ انیسؔ" سے جو مزید مواد ملا ہے اس کی بابت پچھلی سطور میں کچھ عرض کر چکا ہوں۔ مالک رام سے مطبوعات کی فراہمی کے سلسلے میں بڑی مدد ملی ہے۔ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں سیّد مسعود حسین قیصر امروہوی اور ضیاء الدین انصاری صاحبان نے مطبوعات و مخطوطات کی نشان دہی میں لطفِ خاص فرمایا۔ ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔ کرنل بشیر حسین زیدی اور اراکینِ انیس صدی کمیٹی کا شکریہ تو

۲۴

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا ابنِ ابی طالب[۴] سے
جب شاہِ عرب[۵] ملے تو رب کو پایا

[رباعیات: ۹۶؛ رم: ۳۹؛ کاشف ۲: ۲۹۰]

۲۵

بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں شام[۱] تک سحر سے پایا
اللہ نے دی تیغ، نبیؐ نے دختر
رُتبہ یہ اِدھر سے وہ[۲] اُدھر سے پایا

---

[۱] ہر شام سحر سے (نل ۳: ۸۳، نب ۴: ۲۲۰) شام تک سحر سے (رباعیات: ۱۰۱)
[۲] یہ (نب ۴: ۲۲۰) غلط 'وہ' (رباعیات) صحیح

۲۶

تلواروں سے جسمِ شہِ دیں چُور ہُوا
تیروں سے بدن خانۂ زنبور ہُوا
ہر چند کہ تھی کمر میں شمشیرِ دو دم
اُمّت کا مگر قتل نہ منظور ہُوا

(رباعیات: ۱۰۹)

۲۷

جب حُرؔ کا گُنہ شاہِ اُمم نے بخشا
قطرے کو شرف بحرِ کرم نے بخشا
گردُوں سے ندا آئی کہ، اے سبطِ نبیؐ
تُو نے جسے بخشا، اُسے ہم نے بخشا

[رباعیات: ۱۰۶]

۲۸

جب خاتمۂ شاہِ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلُوں کو پامال کیا

(رباعیات : ۱۵۹)

۲۹

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا
میّت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں مُنہ ڈھانپ کے سونے کی انیسؔ!
کیا گزُرے گی، جب قبر میں سونا ہوگا

[۱؎ عجب در رباعیات : ۱۸۵) عجیب در رم: ۱۲۸) غلط
۲؎ کا کونا (رم) میں سونا (رباعیات)]

۳۰

جب دُور سے ایوانِ عُلا کو دیکھا
لاریب کہ عرشِ کبریا کو دیکھا
سَو بار کیا طوافِ کعبہ، اے دل!
اِک بار جو روضۂ رضاؑ کو دیکھا

[رباعی] [رباعیات: ۱۲۰]

۳۱

جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہُوا
ماتم کا، حرمِ سرا میں کُہرام ہُوا
آتی تھی یہ شہ کے تنِ بے سر سے صدا
اب بخششِ اُمّت کا سرانجام ہُوا

(رباعیات: ۱۵۹)

۳۲

جِس دَم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو ! کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جُز یاس
آخر کو وہی رفیقِ تُربت ہوگا

[رباعیات: ۱۸۶؛ رم: ۱۲۵]

۳۳

جِس دن کہ فراق رُوح وتن میں ہوگا
مشکل آنا اِس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو، رختِ نَو پہن کر غافل
اِک روز یہی جِسم کفن میں ہوگا

[رباعیات: ۱۶۸؛ حیات: ۱۲۹؛ رم: ۵۱]

۳۴

جو شاہ کے غم کو دل میں جا دیوے گا
اللہ اُسے اس کا صلا دیوے گا
اشکِ غمِ شبّیرؑ کا، دیکھو تو اثر
اِک قطرہ، جہنّم کو بُجھا دیوے گا

[رباعیات: ۱۳۲]

۳۵

جُھک جُھک کے تو مُنہ ابنِ حسنؑ نے دیکھا
لیکن نہ سکینہ کی بہن نے دیکھا
آنسو نِکل آئے، مگر آنکھیں نہ کُھلیں
لاش آئی، تو دُولھا کو دُلہن نے دیکھا

[رباعیات: ۱۵۳]

۳۶

حُر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہُوا
اِک غلغلۂ جزاکُمُ اللہ ہُوا[1]
جنّت میں نہ کِس طرح پہنچتا وہ جری
شبیرؑ سا رہبر خضرِ راہ ہُوا

[1] یرحمۃ اللہ (رباعیات: ۱۰۶)

۳۷

حُر کہتا تھا، جب قبر میں سونا ہوگا
پُر نُور مِری قبر کا کونا ہوگا
زانوے حسینؑ اور ردائے زہرا
تکیہ تو یہ ہوگا، وہ بچھونا ہوگا

[رباعیات: ۱۰۸]

۳۸

حُر نے مقدادؓ کا مقدر پایا
اسلام بھی سلمانؓ کے برابر پایا
عمارؓ کی طرح پائی عمرِ جاوید
زر چھوڑا تو رتبۂ ابوذرؓ پایا

(رباعیات: ۱۰۸)

۳۹

حیدرؑ سا امام، حق کی رحمت سے مِلا
کیا کیا نہ شرف اِن کی اطاعت سے مِلا
عالم میں ہُوا قبلۂ اوّل بھی وہی
کعبے کو شرف جس کی وِلادت سے مِلا

(رباعیات: ۹۰)

۴۰

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا
اے عمرِ دراز! خوب سِن دکھلایا
ہلتا ہے جو سر، تو کہتے ہیں مُوئے سپید
راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا

[رباعیات: ۲۰۰؛ رم: ۱۵۱]

۴۱

خلّاقِ انام کبریا کو جانا
عالم کا رسول مصطفیٰ[ص] کو جانا
ایماں کا ہمارے اس پہ ہے دار و مدار
جانا جو علیؑ کو، تو خدا کو جانا
[رباعیات: ۹۶]

۴۲

خورشیدِ شرف بُرجِ شرف میں ہوگا
جوہر معدن میں[۱]، دُر صدف میں ہوگا
مشرق میں[۲] کہ مغرب میں اِسے[۳] دفن کرو
جو عاشقِ حیدرؑ[۴] ہے نجف میں ہوگا

[۱ و ۲ 'میں' ندارد (ب ۱: ۹۶) غلط ۳ 'کرو دفن اسے'
(یک ۵: ۸۶؛ دب ۶: ۸۲؛ ط ۲: ۲۲۹)]

۴۳

خوں بھائی کا، شہ کے رُوبرو بہتا تھا
پیاسے کا لہو، کنارِ جُو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقّائے حرم کا لاشہ
دریا تو اُدھر، اِدھر لہو بہتا تھا

[رباعیات: ۱۵۴]

۴۴

خوں میں شہِ مظلوم کا سینہ ڈوبا
بطحا ہُوا برباد مدینہ ڈوبا
کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اُڑاؤ، یارو!
خُشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

(رباعیات: ۱۵۸)

۴۵

خیمہ لبِ نہر شہ کو کرنے نہ دیا
پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا
پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے
دریا پہ مسافر کو اُترنے نہ دیا

[رباعیات: ۱۵۰]

۴۶

دردا کہ فراقِ رُوح و تن میں ہوگا
پنہاں تنِ ناتواں کفن میں ہوگا
اُس روز کریں گے یاد رونے والے
جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

[رباعیات: ۲۳۹؛ اک روز]

۴۷

دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہراؓ
تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہراؓ
کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اُڑاؤ لوگو!
کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہراؓ

[نب ۴: ۳۰۳؛ نل ۱: ۳۶۸]

۴۸

دُشمن جو یزیدِ ستم ایجاد ہُوا
محبوبِ خدا کا باغ برباد ہُوا
لِکھا ہے کہ کربلا میں گھر زہراؓ کا
ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہُوا

(رباعیات: ۱۶۴)

۴۹

دل کو آرام، بے قراری سے مِلا
سینے کو سرور آہ و زاری سے مِلا
گلزارِ جہاں میں سرفرازی پائی
یہ پھل مجھے نخلِ خاکساری سے مِلا

(رباعیات: ۲۱۲)

۵۰

دُنیا میں کِسی کا نہ سہارا دیکھا
بچنے کا نہ غم سے کوئی چارا دیکھا
کچھ بخت ہمارے ہی نہیں سرگشتہ
گردش میں فلک کا بھی سِتارا دیکھا

[رباعیات ۱۹۲]

۵۱

دُنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا
برسوں نہ کبھی روزِ فراغت دیکھا
راحت کا مکاں، امن کا گھر، خانۂ عیش[۱]
دیکھا تو جہاں میں کُنجِ عُزلت دیکھا

(رباعیات: ۲۱۴، نل ۳: ۲۲۲) [۱] عشق (حیات: ۱۳۳) غلط

۵۲

دینداروں نے امن، کُفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف، ایسے گُہر سے پایا
ہاتھوں پہ علیؑ کو لے کے احمدؐ نے کہا
یہ دُرِّ نجف خدا کے گھر سے پایا

[رباعیات: ۸۹]

۵۳

راتیں نہ وہ اب ہوں گی، نہ خواب آئے گا
آیا بھی تو زیست کا[1] جواب آئے گا
اُٹھو، اب انتظار کِس[2] کا ہے، انیسؔ!
نے[3] عمر پھرے گی، نہ شباب آئے گا

[۱ کو (رباعیات: ۱۷۷)؛ کا (رم: ۱۰۵) ۲ بے جا زنل ۴: ۳۲۰؛ رم: ۱۰۵) کس کا (رباعیات: ۱۷۷) ۳ نہ (رباعیات ۱۷۷) نے (رم: ۱۰۵)]

۵۴

راحت کا مزا عدوے جانی نِکلا
دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نِکلا
پیاسے رہے آکے چاہِ دُنیا پہ، انیسؔ!
نِکلا بھی کبھی، تو شور پانی نِکلا

[حیات: ۱۳۷؛ رم: ۱۰۲؛ کاشف ۲: ۲۹۴؛ رباعیات: ۲۳۴]

۵۵

رُتبہ نہ ہو کیوں نظم میں برتر میرا
مدّاحِ شبیّرؑ ہے جوہر میرا
ممکن نہیں بعد مرگ بھی قطعِ سخن
خامے کی طرح اگر کٹے سر میرا

(رباعیات: ۲۲۱)

۵۶

رُتبے سے علیؑ کے عرش بھی پست مِلا
سب ان کو خدا کا گھر درو بست مِلا
کعبے میں نبیؐ کے دوش، اور ان کے قدم
یہ اَوج کِسی کو کب سرِ دست مِلا

(رباعیات : ۹۲)

۵۷

ساحِل پہ ابھی تھا کہ اُدھر جا اُترا
نہ[1] شِرع چڑھی کوئی، نہ پردا اُترا
تھا کشتیِ احمدؐ سے علاقہ جِس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

[1] نے (رباعیات : ۱۰۳)

۵۸

شبیرؑ سا حُر نے جب کہ رہبر پایا
پایے سے ہُوا عرش کے برتر پایا
اِک سبطِ رسولؐ کی رضامندی سے
حُوریں پائیں، بہشت و کوثر پایا

[رباعیات: ۱۰۶]

۵۹

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
آہوں کا دُھواں مُنہ سے نکلتے دیکھا
افسوس کہ میداں میں بنے قاسم نے
دیکھا جسے، اُس کو ہاتھ مَلتے دیکھا

[رباعیات: ۱۵۳]

۶۰

شہ کہتے تھے عباسؑ سا مہ رُو نہ رہا
کیا اشک تھمیں کہ دل پہ قابُو نہ رہا
یک دست گئی تاب و توانِ شبیرؑ
اُس ہاتھ سے کیا ہو، جس کا بازُو نہ رہا

(رباعیات: ۱۵۴)

۶۱

عابد کو سدا باپ کا غم رہتا تھا
دامانِ مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا
تھیں فرطِ بکا سے دونوں آنکھیں مجروح
رخسارِ مُبارک پہ ورم رہتا تھا

[رباعیات: ۱۶۶]

۶۲

عابدؑ کو کبھی خوشی نہ ہوتے دیکھا
بے گریہ نہ جاگتے، نہ سوتے دیکھا
شب سے تا صُبح، اور سحر سے تا شام
جب کوئی گیا، آپ کو روتے دیکھا

(رباعیات : ۱۶۷)

۶۳

عبّاس کو لُطفِ زندگانی نہ مِلا
اکبر کو بھی کچھ حظِّ جوانی نہ مِلا
اس موسمِ گرما میں غضب ہے، یارو!
شبیرؑ کو تین روز پانی نہ مِلا

[رباعیات: ۱۵۲]

۶۴

فردوس ہر اِک قبر کا کونا ہوگا
مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
راحت[1] دُنیا میں[2] غیر ممکن ہے، انیسؔ!
آرام سے ہاں، لحد میں سونا ہوگا

[1] راحت ارم؛ ؛ حیات: ۱۳۴) لذت (رباعیات: ۱۸۸) [2] کس نے پائی (رباعیات: ۱۸۸)؛
ن (رم: ۸۰)]

۶۵

فیّاض علیؑ کو ہر بشر سے پایا
ہاتھوں کو کُشادہ بحر و بر سے پایا
واں رہتا ہے بابِ خیر وا آٹھ پہر[1]
حق سے مانگا، علیؑ کے گھر سے پایا

[1] وا رہتا ہے بابِ خیر واں آٹھ پہر (رباعیات: ۱۰۲، لیکن نل ۳: ۶۴) کو اختیار کیا گیا
(۱۵۲:

۶۶

قاسم کو عدو نے خوں میں[۱] جب لال کیا
شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر
گھوڑوں کی سموں سے اُس کو[۲] پامال کیا

[۱] جب خوں ہیں (نب ۱: ۲۳۷) غلط۔
[۲] اسے (نب ۱: ۳۶)

۶۷

کانپا نہ جگر، نہ دل نہ چہرا اُترا
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا
ساحل پہ نہ جس کے ٹھہرے یارو قدم
دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

[نب ۲: ۲۵۴؛ رم: ۲۳]

۶۸

کچھ عقل کی میزانؔ میں تولا نہ گیا
چُپ ہو گئے اِس طرح کہ بولا نہ گیا
عُقدے سب حل ہوئے، مگر آہ، انیسؔ!
یہ بندِ اجل کِسی سے کھولا نہ گیا

[لے میزان میں دام: ۸۸؛ حیات: ۱۳۶ امیزان میں بھی رباعیات: ۱۶۹]

۶۹

کُرسی کِس کی ہے، عرشِ اعلیٰ کِس کا!
کِس کی یہ شرافت ہے، یہ رُتبہ کِس کا!
صدّیقہ، جنابِ سیّدہ، بنتِ رسولؐ
زُہرہ کہے زہرا کو، یہ زہرا کِس کا!

[رباعیات: ۱۴۰]*

۷۰

کِس دن مضمونِ نو کا نقشا اُترا
پُر درد معانی کا نہ چہرا اُترا
منبر سے ہم اُترے، نئے مضموں پڑھ کر
اُن کے لیے گویا من و سلوا اُترا
[رم: ۱۲۲]

۷۱

کعبے کو یداللہ نے آباد کیا
بُت توڑ کے مصطفےٰ[ص] کا دل شاد کیا
اللہ رے جلالِ اسمِ اعلائے علی[ع]
اَصنام کو اِس نام نے برباد کیا
[رم: ۴۷]

۷۲

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا
مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا
تلوار سے اِک شقی کی، سبحان اللہ!
سجدے میں اُسی کا سر دوپارا ہوگا!

[رباعیات۱۴۷]

۷۳

کُفّار کا لشکر لبِ دریا اُترا
جو مالکِ کوثر تھا، الگ جا اُترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اُترے شبیرؑ
غُل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلا اُترا [رباعیات:۱۵۰]

۷۴

کہتی تھی سکینہ، گھر کا جلنا دیکھا
ماں بہنوں کا بلوے میں نکلنا دیکھا
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے
اس چار برس کے سِن میں کیا کیا دیکھا

[رباعیات: ۱۶۳]

۷۵

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھانے کی نہ لذّت، نہ مزا پانی کا
مر رہیے کسی دشت کے دامن میں انیسؔ!
پردہ ہے یہی جامۂ عُریانی کا

[رم: ۹۷؛ نل ۴: ۲۵۷؛ حیات: ۱۳۷؛ رباعیات: ۲۳۵]

۷۶

کیا حُر نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا
کیا مرتبہ شاہِ بحر و بر سے پایا
تھی آرزوے بہشت و آبِ کوثر
وہ باپ سے پایا، یہ پِسر سے پایا

[رباعیات ۱۰۳]

۷۷

کیا رنج جفاے اشقیا سے کھینچا
لیکن نہ قدم راہِ رضا سے کھینچا
سردار تھے صابروں کے سجّادؑ حزیں
کانٹا بھی نہ جُھک کر کفِ پا سے کھینچا

(رباعیات: ۱۶۶)

۷۸

کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ، کیا کیا اُترا
پر نشّہ نہ اُلفتِ علیؑ کا اُترا
جب ہوش میں آکے تھم گئی طبعِ انیسؔ!
ثابت یہ ہُوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

[رباعیات: ۲۱۲]

۷۹

کیوں آج دِلا! خیالِ فردا نہ کیا
بھُولا جو بُرے وقت کو اچّھا نہ کیا
پیدا کیا سب کچھ تو، مگر آہ انیسؔ!
زادِ سفرِ مرگ، مہیّا نہ کیا

[رباعیات: ۱۷۵؛ رم: ۱۴۳]

۸۰

محبوب کو ہم کنار بھی دیکھ لیا
تُربت دیکھی، فشار بھی دیکھ لیا
بے مہریِ آسماں کے شاکی تھے بہت
صد شُکر، زمیں کا پیار بھی دیکھ لیا

[رباعیات: ۲، نل۴: ۴۴۲؛ ام: ۹۵]

۸۱

مرقد میں انیسؔ نہ کفن میں ہوگا
وہ روضۂ سُلطانِ زمن میں ہوگا
چل کر گُلزارِ کربلا میں ڈھونڈیں
بُلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا [رباعیات: ۱۱۶]

۸۲

مسجد میں چراغِ دیں خاموش ہُوا
ہر سمت فغان و آہ کا جوش ہُوا
پہنا ملبوسِ نیلگوں گردوں نے
کعبہ اسی ماتم میں سینہ پوش ہُوا

[سٹ اعلان نوہ در باعیات: ۴۷]

۸۳

مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا
اُترا بھی، تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقّاش نے سَو طرح کی خِفّت کھینچی
تصویر نہ کھنچ سکی، تو چہرا اُترا

[حیات: ۱۳۲؛ رباعیات ۲۲۹، رم: ۱۳۰ا]

۸۴

مظلوم، نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا
مینہ تیروں کا یوں کِسی پہ برسا ہوگا؟
پیاسے رہے کربلا میں جِس طرح حسینؑ
یوں گبر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا[۱]

[رباعیات: ۱۵۲ ا۔ یہ رباعی مونس سے بھی منسوب ہے]

۸۵

نیساں کو خجل، دیدۂ تر سے پایا
دامن کو بھرا ہُوا گُہر سے پایا
یہ لُطف اُٹھایا نہ کِسی شادی میں
جو حظ غمِ شاہِ بحر و بر سے پایا [رباعیات: ۱۳۳]

۸۶

وہ کون سا صدمہ تھا جو شہ پر نہ ہُوا
پانی بھی دمِ نزع میسّر نہ ہُوا
رویا کیے زینبؓ کی اسیری پہ حسینؑ
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہ ہُوا

(رباعیات: ۱۵۷)

۸۷

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق، وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے[۱]، انیسؔ!
جب ہم نہ رہے، تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

[۱ کے (رباعیات ۱۷۰) تک (رزم: ۷۳)]

۸۸

ہاں ، بعدِ فنا سخن نشاں ہے میرا
دُنیا میں یہ باغ بے خزاں ہے میرا
تا حشر رہے گا نام اس سے روشن
ہر شعر چراغِ دودماں ہے میرا

(رباعیات : ۲۲۱)

۸۹

ہر چند کہ ہے بلند پایہ سر کا
پر حیف ہوا تمام مایہ سر کا
کہتی ہے یہ پُشت خم کہ چل سُوئے لحد
گرتا ہے ترے پانْو پہ سایہ سر کا

(رباعیات : ۱۷۸)

۹۰

ہر دم غمِ سبطِ شہِ لولاک کیا
جب نام لیا چشم کو نمناک[1] کیا
تر ہو گیا رومال، تو پھاڑا دامن
پایا نہ گریباں، تو جگر چاک کیا

[1 غمناک (نل ۲: ۲۴۴) غلط؛ غمناک (رباعیات: ۳۲ب)]

۹۱

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارا نہ کیا
پر تُو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنّم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

[رباعیات: ۸۱]

۹۲

ہے شانِ علیؑ سے حق کی شوکت پیدا
ہے ان سے ہر اک نبی کی خصلت پیدا
آئینے میں جیسے مہر دکھلائی دے[۱]
چہرے سے ہے یوں نورِ ولایت پیدا

---

[۱] دکھلائے انیس (بک ۵ : ۱۴۱)؛ دکھلائی دے (مخطوطہ محمود آباد)

ب

۹۳

بادل[۵] آ کے رو گئے ہائے غضب
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسینؑ کو نہ روئے اس سال
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

[۵ یہ رباعی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی اور لکھنؤ کی تباہی کے بعد کہی گئی۔ اس زمانے میں محرّم برسات میں پڑا تھا۔ (رباعیات : ۱۳۵]

۹۴

بالوں پہ غُبارِ شیب ظاہر ہے اب
ہُشیار انیسؔ تُو مُسافر ہے اب
پیدا ہے سپیدیِ سحر پیری کی
لے خواب سے چونک، رات آخر ہے اب[1]

[1] رباعیات: ۱۷۹؛ رم: ۱۲۴ لیکن نل ۳: ۱۵۲ میں یہی رباعی بجنسہ ردیف "اب ہے" کے ساتھ درج ہے]

۹۵

دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں یارب!
اب زیست کے دن نباہتا ہوں یارب!
طالب زر و مال کے ہیں سب دُنیا میں
میں تُجھ سے تُجھی[1] کو چاہتا ہوں یارب!

[1] تجھ کو (رباعیات: ۸۵) غلط]

۹۶

عصیاں سے ہوں شرمسار، توبہ یارب!
کرتا ہوں میں بار بار توبہ، یارب!
نہ جرم کا پایاں، نہ گناہوں کا شمار
اک توبہ تو[لہ] کیا، ہزار توبہ یارب!

[لہ "تو" ندارد (رباعیات: ۱۹۴] موجود (رم: ۳۳]

ت

۹۷

کھو دل کے مرض کو اے طبیبِ اُمّت
سِکھلا آداب اے ادیبِ اُمّت
اللہ کے نُور کو بعینہ دیکھیں
گر ہو ترا دیدار نصیبِ اُمّت

(رباعیات: ۸۷)

ج

۹۸

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج
سب روتے ہیں دُنیا میں خوشی گُم ہے آج
چالیسویں تک گڑا نہ لاشہ جِس کا
اُس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

[رباعیات: ۱۶۱]

۹۹

بست و یکم ماہِ محرّم ہے آج
جس آنکھ کو دیکھیے وہ پُرنم ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا
اُس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

(رباعیات: ۱۶۰)

۱۰۰

دامادِ رسولؐ کی شہادت ہے آج
معصوموں پہ فاطمہؓ کے آفت ہے آج
جنّت میں تڑپتے ہیں رسول الثقلینؐ
خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

ح

۱۰۱

سر کھینچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح
ہر ایک سے جُھک قوسِ خمیدہ کی طرحِ
منظورِ نظر ہے جو حفاظت اپنی
ہو گوشہ نشیں مردم دیدہ کی طرحِ

(رباعیات: ۲۱۴)

۱۰۲

کیا دستِ مژہ کو ہاتھ آئی تسبیح
سُبحان اللہ کیا بنائی تسبیح
آنسو نہیں رُکتے ہیں غمِ شہ میں انیسؔ
آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

د

۱۰۳

تھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجّادؑ
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجّادؑ
جب تک جیے ہنستے نہ کِسی نے دیکھا
چالیس برس باپ کو روئے سجّادؑ

ر

۱۰۴

افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدر
حلّالِ مہمّات ہے ذاتِ حیدر
توریت ، انجیل اور زبور و قرآن
ہیں ایک رباعیِ صفاتِ حیدر

(رباعیات : ۱۰۲)

۱۰۵

اللّٰہ اللّٰہ عزّ و جاہِ ذاکر
دربارِ حسینی میں ہے راہِ ذاکر
پنجہ جو عَلَم کا سرِ منبر ہے انیسؔ
ہے دستِ علمدار پناہِ ذاکر

(رباعیات: ۲۵۰)

۱۰۶

آہوئے حرم ہے چشمِ مستِ حیدرؔ
کعبہ[1] ہے دلِ خدا پرستِ حیدرؔ
سینہ[2] تو ہے مخزنِ علومِ نبوی
ابرِ کرمِ خدا ہے دستِ حیدرؔ

[1] شاداں (ذیل ۴: ۲۲۸) [2] آخری دو مصرعے یوں ہیں:
تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم
عرشِ اعظم تھا زیرِ دستِ حیدرؔ (ذیل ۴: ۲۲۸)

۱۰۷

اے بختِ رسا سُوئے نجفؔ راہی کر
مجھ زار کو زائرِ یداللّٰہی کر
لے جا سُوئے کربلاؔ مری مُشتِ غُبار
اے بادِ صبا اتنی ہوا خواہی کر

[رباعیات: ۱۰۲]

۱۰۸

اے خالق ذوالفضل و کرم[۱] رحمت کر
اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم! رحمت کر

[۱؎ ذوالفضل و کرم (رم: ۲۱، رباعیات: ۸۰) لیکن نل ۲: ۲۱۲ میں ذوالجلال، غلط ہے]

۱۰۹

اے مومنو! فاطمہؓ کا پیارا شبیرؑ
کل جائے گا بھوکا پیاسا مارا شبیرؑ
ہو جائیں گے سب تعزیہ خانے سُنسان
آج اور ہے مہمان تمھارا شبیرؑ

[رباعیات ۵۰]

۱۱۰

برباد گراں جنس کو بے تول نہ کر
تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک ناں ہے انیسؔ دست دونانِ سوال
خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

(رباعیات : ۲۰۶)

۱۱۱

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر
دُنیا سے انیسؔ اب تو بیزاری کر
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید
ہے صبحِ اجل کُوچ کی تیّاری کر

[رباعیات: ۱۷۹؛ کاشف ۲: ۲۹۳]

۱۱۲

تکیے پر نہ سر ہے نہ بدن بستر پر
اِس در پہ کبھی ہوں تو کبھی اُس در پر
ہر وقت ہے فکرِ نان و اندوہِ لباس
کیا زیست نے ڈالی ہیں بلائیں سر پر

(رباعیات: ۲۳۲)

۱۱۳

جامِ عرفان ہے چشمِ مستِ حیدرؑ
حق بیں ہے نگاہِ حق پرستِ حیدر
چہرہ ہے بہارِ بوستانِ فردوس
گلدستۂ باغِ دیں ہے دستِ حیدر

[رباعیات]

۱۱۴

چلّاتے تھے مُسلم کے پسر قتل نہ کر
مظلوم ہیں اور بے پدر، قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث
للّٰلہ ہمیں بیچ لے، پر قتل نہ کر

(رباعیات : ۱۳۹)

۱۱۵

دُنیا سے اُٹھا لے کے میں نامِ حیدرؑ
جنّت کو چلا بہرِ سلامِ حیدرؑ
عصیاں ہوئے سدِّ رہ تو رضواں نے کہا
آنے دو، اِسے ہے یہ غلامِ حیدرؑ

[رباعیات: ۱۱۱]

۱۱۶

ساقیِ شرابِ حوضِ کوثر حیدرؑ
حامی حیدرؑ، شفیعِ محشر حیدرؑ
پُوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا
میں قبر سے چلاؤں کہ حیدرؑ حیدرؑ

(رباعیات: ۹۵)

۱۱۷

سُرمہ ہے غُبارِ رہگذارِ حیدرؑ
مردُم نہ ہوں کس طرح نثارِ حیدرؑ
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
آئینۂ نُور ہے مزارِ حیدرؑ

[رباعیات: ۱۱۴]

۱۱۸

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ
ہے ابرِ کرم، دستِ سخائے حیدرؑ
یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ
سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

۱۱۹

قطعہ

غفلت میں نہ عُمر کو بسر کر
انجام پہ اِک ذرا نظر کر
اِس طُولِ امل سے فائدہ کیا
کل کُوچ ہے قصہ مختصر کر

[حیات: ۱۳۳؛ ۴: ۱۳۴؛ ط۳: ۳۸۹؛ رم: ۷۴]

۱۲۰

قرآں میں ہے جا بجا ثنائے حیدرؑ
ہے وارد ھَل اتیٰ عطائے حیدرؑ
دو چیزیں عقبیٰ کے لیے دُنیا میں
اِک یادِ خدا ایک وِلائے حیدرؑ

[رباعیات ۹۸]

۱۲۱

کعبے میں ہُوا جو بند وبستِ حیدرؑ
شاداں تھا دلِ خُدا پرستِ حیدرؑ
تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم
عرشِ اعلیٰ تھا زیرِ دستِ حیدرؑ

[سلہ اعظم دنل ۴: ۲۲۸ ؛ ایضاً دیکھیے رباعی ۱۰۶]

۱۲۲

کہتی تھی بتول اے مرے پیارے شبیرؑ
کِس بیکسی سے جاتے ہو مارے شبیرؑ
جنّت کو سِدھارے سب عزیز و رفقا
اب کوئی نہیں پاس تمہارے شبیرؑ

[رباعیات: ۱۵۶]

۱۲۳

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدرؑ
ذاکر بھی ہیںؔ مصروفِ بیانِ حیدرؑ
ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا
رونے کو ہیں جمع شیعیانِ حیدرؑ

[نسخہ ہے (رباعیات) ۱۴۷، ہلیں (ط ۳: ۴۰۲]

۱۲۴

مائل نہیں طبعِ پاک اِس دُنیا پر
مردُم ہیں عبث ہلاک اِس دُنیا پر
فرزند ابوتراب، محتاجِ لحد!
تُف اِس دُنیا پہ، خاک اِس دُنیا پر

[رباعیات: ۱۹۰]

۱۲۵

مٹّی سے بنا ہے، دل کو تو سنگ نہ کر
ہر بات پہ معترض نہ ہو، جنگ نہ کر
منظور اگر ہے جا دِلوں میں اے دوست!
بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

[رباعیات: ۲۲۰؛ رم: ۱۳۲]

۱۲۶

مردُم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر
احسان یہ سر پر، یہ قدم آنکھوں پر
ہے عینِ شرف خدمتِ احبابِ حسینؑ
گو ہو نہ جگہ بِٹھائیں ہم آنکھوں پر

(رباعیات: ۱۲۶، نل ۴: ۲۷۴)

۱۲۷

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ
دُنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدرؑ
خود قاسمِ روزیِ دو عالم تھے، مگر
تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدرؑ

(نل ۴: ۲۲۸، رباعیات: ۱۰۱)

۱۲۸

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار
شادی کی خوشی میں، غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پر ابرِ اندوہ و ملال
رونے کی ہے عشرۂ محرّم میں بہار [رباعیات: ۱۹۰]

۱۲۹

ہے چادرِ نُورِ حق ردائے حیدرؑ
خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدرؑ
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کُرسی کو ملک
یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدرؑ

(نل ۴: ۲۲۶)

۱۳۰

ہے کون و مکاں میں اختیارِ حیدرؑ
گردوں ہے سُبک پیشِ وقارِ حیدرؑ
اِک جان ہے، اِک دل ہے بضاعت اپنی
احمدؐ کے وہ قُرباں، یہ نثارِ حیدرؑ

[رباعیات: ۸۹]

ز

۱۳۱

ہر چند[1] کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر تعزیہ دار شاہِ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر گُنجِ دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں دن، سوگ نشیں ہے آواز

[1] [رباعیات: ۱۲۰؛ ط۲: ۸۴ "حیاتِ دبیر" میں یہ رباعی دبیر سے منسوب کی گئی ہے اور (رد: ۷، ۳) میں بھی نکلی ہوئی ہے لیکن یوسفی پریس دِلّی کے مطبوعہ قدیم ماخذ میں بھی اور نل ایں بھی اس ہی لیے منسوب ہے]

س

۱۳۲

کِس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس
جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم، افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے
کیوںؔ[1] صاحبو! ہو چکا محرّم؟ افسوس!

[[1] لو صاحبو! ہوگیا (نب ا: ۳۶۱)، یوں صاحبو! ہوگیا (ط ا: ۳۶۴)]

غ

۱۳۳

دُشمن کو بھی دے خُدا نہ اولاد کا داغ
جاتا نہیں ہرگز دلِ ناشاد کا داغ
فرماتے تھے رو کے لاشِ قاسم پہ حسینؑ
اولاد سے کم نہیں ہے داماد کا داغ

(رباعیات: ۱۰۳)

ف

۱۳۴

کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف
غم خود لے جائے شادمانی کی طرف
تیرا جو کرم ہو تو مثالِ مہِ نو
پیری سے پہنچ جاؤں جوانی کی طرف [رباعیات: ۸۴]

۱۳۵

ہر غنچے سے شاخِ گُل ہے کیوں نذر بکف
ہے روز خلافت شہنشاہِ نجف
حیدرؑ ہوئے جانشینِ خاصِ نبوی
ہے آج طلوعِ نیّرِ برجِ شرف

(رباعیات: ۹۰)

ک

۱۳۶

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں یہ اشک
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں یہ اشک
آنکھوں سے لگا کے اُن کو کہتے ہیں ملک
گوہر نہیں نُورِ چشمِ کوثر ہیں یہ اشک

[لہ اس (ط ۲ : ۳۰) غلط؛ اِن [ـ رباعیات: ۱۴۳]]

۱۳۷

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک
ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہےؔ واحد
ہیں اِسم تو دو مگر مسمّٰی ہے ایک

[لہ ہیں (نل ۲: ۳۸، وٹبک ۵: ۲۱۲)؛ ہے: رباعیات: ۱۸۸]

۱۳۸

ظاہر وہی اُلفت کے اثر ہیں اب تک
قربانِ شہِ جنّ و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علَم آگے جب اُٹھتی ہے ضریح
عبّاسِ علی سینہ سپر ہیں اب تک

[رباعیات: ۱۶۵]

۱۳۹

عُریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک
ناموس پہ ایذا و محنؔ[1] ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اُڑاؤ یارو
شبّیرؑ کی لاش بے کفن ہے اب تک

[۱ وطن (نب۳: ۳۲۱) غلط "محسن"، (رباعیات: ۱۳۹)]

۱۴۰

ہشیار ہے سب سے باخبر ہے جب تک
بیدار ہے، عالم پہ نظر ہے جب تک
پیدا ہے صریرِ کلک سے یہ آواز
کر فکرِ سخن، زبان تر ہے جب تک

(رباعیات: ۲۱۸)

ل

۱۴۱

ہوجاتی ہے سہل پیشِ دانا مُشکل
دل نے نہ کسی امر کو جانا مُشکل
مدحِ شہِ دیں میں ہے مگر دل کا یہ قول
ہے بحر کا کوزے میں سمانا مُشکل

(رباعیات : ۱۱۰)

ن

۱۴۲

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؔ
کیوں رک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

[حیات: ۱۳۳؛ رباعیات ۱۱۵؛ رم: ۶۶]

۱۴۳

اس بزم کو جنّت سے جو خوش پاتے ہیں
رضواں لیے گلدستۂ نُور آتے ہیں
کیا صحن ہے گلشنِ عزائے شبّیرؑ
پانی یہاں خضر آ کے چھڑک جاتے ہیں

[رباعیات: ۱۲۱]

۱۴۴

اشکوں میں نہاؤ تو جِگر ٹھنڈے ہوں
بھیگے جو مژہ دیدۂ تر ٹھنڈے ہوں
یوں سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے
خس خانے میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

[رباعیات: ۱۳۴]

۱۴۵

افضل کوئی مرتضیٰؑ سے ہمّت میں نہیں
اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں
طوبیٰ، تسنیم و خلد و سیب و رمّان
وہ کیا ہے جو حیدرؑ کی ولایت میں نہیں

(رباعیات: ۹۵)

۱۴۶

اُلفت ہو جسے اُسے ولی کہتے ہیں
ایسوں کو سعیدِ ازلی کہتے ہیں
اس بزم میں دھوپ اُٹھا کے آتے ہیں جو لوگ
ہنس کر طوبیٰ لکھ کر علیؑ کہتے ہیں

(رباعیات: ۱۲۸، نل ۴: ۲۷۴)

۱۴۷

انساں ہی کچھ اِس دَور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوفِ صیّاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

[رباعیات: ۱۹۸؛ ط۳: ۱۶۷]

۱۴۸

آئینہ ہے سب حال وہ حیراں ہوں میں
خاطر ہے جمع گو پریشاں ہوں میں
مردُم کی پلک ہِلی کہ مطلب سمجھا
ہر اِک کی نِگاہ کا زباں داں ہوں میں

(رباعیات: ۲۴۸)

۱۴۹

باندھے ہوئے گوہر سخن لائے ہیں
بازار جو بند ہے تو شرمائے ہیں
کہتے تھے یہ روز جنس لینے والے
جب اُٹھ گئے جوہری تو ہم آئے ہیں

(رباعیات: ۲۴۹)

۱۵۰

پُر نور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں
زہراؑ و یدُاللہ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزمِ غم میں با نالہ و آہ
شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

۱۵۱

پروا تیغِ زباں کو سجنے کی نہیں
حاجت طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں
دُر بار ہے ابرِ طبع لیکن ہوں خموش
عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

[رباعیات: ۲۲۸؛ رم: ۱۲۰]

۱۵۲

تابانِ فلک سخن کے تارے ہم ہیں
ممتاز اسی شرف سے بارے ہم ہیں
ہر چند ہے حُسنِ سخن اُس پر موقوف
پر قافیے کی طرح کنارے ہم ہیں

[رباعیات: ۲۲۷]

۱۵۳

تکلیف کسی کی شہ کو منظور نہیں
جنّت کی ہَوا آ ئے تو کچھ دُور نہیں
گِر کر بھُنتا نہیں زمیں پر دانہ
گرمی ہے مگر گرمیٔ عاشور نہیں

(رباعیات : ۲۴۷)

۱۵۴

تن پر ہے عرق عجب تب و تاب میں ہوں
کیا جانے غش آگیا ہے یا خواب میں ہوں
اِک سینۂ سوزناک و چشمِ نم سے
آتش میں کبھی ہوں اور کبھی آب میں ہوں

(رباعیات : ۲۳۷)

۱۵۵

توفیق ثنائے شہِ دیں پاؤں میں
جس میں کہ ہے نام وہ نگیں پاؤں میں
یارب! دل سے ہوں جس زمیں کا مشتاق
مرجانے پہ بھی قبر وہیں پاؤں میں

[رباعیات: ۱۱۷]

۱۵۶

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ
تقریر[1] سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسینؑ
سب کو تو تسلّی دیے جاتے تھے مگر
زینبؓ کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسینؑ

[لہ "کے" (نل ۲ : ۳۷۲) غلط ہے، "سے"۔ رباعیات: ۱۵۶]

۱۵۷

جب دیکھیں گی احوالِ قیامت آنکھیں
کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں
کہتی ہے زباں دہن میں کچھ عُذر تو کر
رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

[رباعیات: ۱۹۴؛ رم: ۱۳۸]

۱۵۸

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاکِ حسینؑ
سب ٹوٹ پڑے، لُٹ گئی پوشاکِ حسینؑ
فریاد ہے اُمّت نے کفن کے بدلے
پامال کیا پیکرِ صد چاکِ حسینؑ

[رباعیات: ۱۶۰]

۱۵۹

جس پر نظرِ[1] اک لطف کی شبیرؑ کریں
ادنیٰ ، اعلیٰ سب اُس کی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

[لہ کہ نظر لطف (نل ۲: ۷۰، بک ۵: ۱۲، نب ۱: ۲۸۰) نظر اک لطف (رباعیات: ۱۰۵]

۱۶۰

چاہیں جو علیؑ قطرے کو دریا کردیں
ادنیٰ پہ کریں مہر تو اعلیٰ کردیں
نسخہ کیسا، علاج کہتے ہیں کسے
بیمار کو چاہیں تو مسیحا کردیں

[رباعیات: ۱۰۰]

۱۶۱

چھٹتا ہے مقام کُوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لَو لگی ہوئی ہے میری
اُوپر کے دَم اِسی واسطے بھرتا ہوں میں

[رم: ۱۵۳؛ رباعیات: ۲۳۸) لے آخر ہے حیات (واقعات: ۱۲۹]

۱۶۲

حاصل ہو جو دولت تو تونگر ہو جائیں
گر زر کی ہَوس نہ ہو، ابوذر رضؓ ہو جائیں
نوّابی و شاہی نہیں درکار انیسؔ
گر سدِّ رمق ملے سِکندر ہو جائیں

(رباعیات: ۲۱۰)

۱۶۳

حیران ہے عقل و دل شیدا سب میں
دیکھو کہ ہے شان اس کی ہویدا سب میں
کیا قدرتِ معبود ہے اللہ اللہ
پنہاں سب میں ہے اور پیدا سب میں

[رباعیات:۷۸]

۱۶۴

خود ڈھونڈ کے پیش اہل دل جاتا ہوں
غنچے کی طرح ہوا سے کِھل جاتا ہوں
پیری نے نہال بارور مجھ کو کیا
ہر اِک سے میں آپ جُھک کے مِل جاتا ہوں

(رباعیات : ۲۱۳)

١٦٤
١٦٥

داغِ غمِ شہ سینے میں گُل بُوٹے ہیں
کیا کیا گُہرِ بیش بہا لُوٹے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیسؔ
اشک اُن کے بھی موتی ہیں مگر جھُوٹے ہیں

(رباعیات: ۱۴۴)

١٦٦

دس دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں
خوشنود شہِ تشنہ جگر ہو جائیں
موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں یہ اشک
حضرت کو جو منظورِ نظر ہو جائیں

[رباعیات: ۱۳۷]

۱۶۷

دل سے دُنیا کے ولولے جاتے ہیں
اِک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیسؔ!
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

(رباعیات: ۸۶، نل ۳: ۱۹۴)

۱۶۸

دَم اُلفتِ حیدرؑ کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو، وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہیں[۱] کہاں صفاتِ ہمنامِ خدا
کیا آگے کہوں، خدا سے ڈرتا ہوں میں

[۱ ممکن ہیں کہاں صفات واجب اللہ اللہ (کاشف ۲: ۲۹۰؛ رباعیات: ۹۹؛ رم: ۴۴]

١٦٩

دُنیا سے رہائی ہو یہ وہ جال نہیں
چھُوٹے بھی جو مر کر تو پر و بال نہیں
ظاہر بینوں کو کیا خبر باطن کی
آئینے میں عکسِ صورتِ حال نہیں

(رباعیات : ١٨٨)

١٧٠

دُنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
کِس راز سے خالق[١] کے یہ[٢] آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قُربِ معراجِ رسُول[٣]
خاموش کہ یاں سُخن کو بھی راہ نہیں

[١؎ یہ خلق کے (حیات : ١٢٨) ؛ نل ٢ : ١٢)، خالق کے (رباعیات ٨٦)
٢؎ وہ (رباعیات : ٨٦) یہ (نل)
٣؎ انیس (رباعیات : ٨٦) رسول (زم : ٩٤)، حیات؛ ١٢٨) ٤؎ یہ رباعی مونس سے بھی منسوب ہے]

۱۷۱

دولت کا ہمیں[1] خیال آتا ہی نہیں
وہ[2] نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

[۱؎ کبھی (رم: ۱۱۹) ہمیں ۔ (رباعیات: ۲۰۹) ۲؎ وہ (رباعیات؛ نل ۳: ۲۱۴:
یہ (رم)]

۱۷۲

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں
نے[1] مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو
ہاں[2] اِک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

[۱؎ نہ (رباعیات: ۸۰) نے (رم: ۱۲۹)
۲؎ بس (رباعیات: ۸۰) (رم)]

۱۷۳

راہی طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یارب! ترا نامِ پاک جپنے کے لیے
گویا اِک ہڈّیوں کا مالا ہوں میں

[(رباعیات: ۲۳۷) سہ دنیا (دم: ۲۲) کاشف ۲:
۲۸۸)]

۱۷۴

رعبِ شہِ ذی جاہ سے تھرّاتے ہیں
سب طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے میں
آتے ہیں تو جُھک جُھک کے عَلَم آتے ہیں

[رباعیات: ۱۲۰]

۱۷۵

روشن شمعیں تجلّیِ طُور کی ہیں
خال اُن کے رُخوں کے پُتلیاں حُور کی ہیں
قُربانِ دوازدہ امامِ برحق
بارہ سطریں یہ سُورۂ "نُور" کی ہیں

(رباعیات : ۱۰۹)

۱۷۶

روتے ہیں نہ فریاد و بُکا کرتے ہیں
کیا صبر امامِ دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بَر میں
اُس بیٹے کو اُمّت پہ فِدا کرتے ہیں

(ط ۳ : ۳۴۷)

۱۷۷

رونق دہِ بزمِ خوش بیانی ہم ہیں
رشکِ گُلِ باغِ نکتہ دانی ہم ہیں
فیضِ غمِ شاہ بحر و بر سے، لاریب
دُشمن ہے اگر آگ تو پانی ہم ہیں

(رباعیات: ۲۳۰ رباعیات: ۲۳۴)

۱۷۸

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عُقدہ
کُھل جائے گا سب، جو بند ہوں گی آنکھیں

[رباعیات: ۱۴۲]

۱۷۹

رونے سے فراغ اب کسی روز نہیں
بے غم کوئی دم جانِ غم اندوز نہیں
جُز درد نہیں کوئی ہمارا ہمدرد
جُز داغ کوئی اپنا جگر سوز نہیں

(رباعیات: ۲۴۹)

۱۸۰

رونے کا رسولؑ حق صِلا دیتے ہیں
شیعوں کو ملائکہ دُعا دیتے ہیں
کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کے آنسو
ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بُجھا دیتے ہیں

[رباعیات: ۱۴۳]

۱۸۱

زہراؓ جو بصد آہ و فغاں پیٹتی ہیں
مُنھ ہاتھوں سے حُورانِ جناں پیٹتی ہیں
کیا غم ہے کہ نُورِ عینِ زہراؓ کے لیے
سر دستِ مژہ سے پُتلیاں پیٹتی ہیں

(رباعیات: ۱۶۵)

۱۸۲

سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں
دیکھا نہیں جس کو، اُس کا عاشق ہوں انیسؔ
جلتا ہے جو بے شمع، وہ پروانہ ہوں

[رباعیات: ۸۵؛ حیات: ۱۳۸؛ رم: ۳۵]

۱۸۳

سجّادؑ حزیں شغلِ بُکا رکھتے ہیں
تر اشکوں سے رُخسار سدا رکھتے ہیں
بھر آتا ہے دل دیکھ کے جامِ پُر آب
یادِ عطشِ شاہِ ہُدا رکھتے ہیں

[رباعیات: ۱۶۶]

۱۸۴

[۱] سرگرم ہوں میں نبیؐ کی مدّاحی میں
کام آئے زباں وصی کی مدّاحی میں
یارب[۲] یہ مری عُمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے، علیؑ کی مدّاحی میں

[۱ سرشار ہوں (راقم) سرگرم (رباعیات: ۲۴۲؛ رم: ۴۲) ۲ اس طرح (راقم) یارب یہ (رباعیات (رم)

۱۸۵

سوزِ غمِ شہ سے داغ داغ آنکھیں ہیں
گُل لختِ جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں
چشمِ بد دُور، بزمِ ماتم ہے نُور
آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

(رباعیات : ۱۳۹)

۱۸۶

سینوں میں جِگر پہ تیرِ غم چلتے ہیں
رُخساروں پہ اشک شمعؔ سال ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیاد
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

[لہ 'شمع'، ندارد (نب ۳ : ۱۳۳) غلط؛ شمع موجودِ در رباعیات: ۱۲۱]

۱۸۷

شاہوں کا وہ تخت و عَلم و تاج نہیں
یاں کچھ شرف غنی و محتاج نہیں
حسرت کی جگہ یہ ہے کہ اکثر اشخاص
کل تک اِنھیں لوگوں میں تھے اور آج نہیں

(رباعیات: ۱۷۳)

۱۸۸

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکرِ شام، وہ ستارا ہوں میں [رباعیات: ۱۰۴]

۱۸۹

شہ کہتے تھے خالق کا شناسا ہوں میں
کر رحم پیمبرؐ کا نواسا ہوں میں
کچھ پانی پلا کے قتل کرنا مجھ کو
اے شمر کئی روز کا پیاسا ہوں میں

[رباعیات:۱۵۸]

۱۹۰

شہ کہتے تھے عاشقِ الٰہی ہوں میں
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں
جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبؓ شبِ قتل
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں [رباعیات:۱۵۰]

۱۹۱

صدقے ترے اے فاطمہؓ کے جائے حسینؑ
اُمّت نے عجب دُکھ تجھے دِکھلائے حسینؑ
عُریاں رہی لاش اِک مہینے دس دن
مر کر نہ کفن تجھ کو مِلا ہائے حسینؑ

(رباعیات: ۱۶۲)

۱۹۲

عابدؒ سب ہیں خدا رسیدہ سب ہیں
بینا صفتِ مردُمِ دیدہ سب ہیں
گلزار ہے لکھنؤ اِنھیں پھُولوں سے
چیدہ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

(رباعیات: ۱۲۶)

۱۹۳

عالم یہ کتاب و علم و حکمت کے ہیں
ہر فصل میں ذِکر ان کی کرامت کے ہیں
کہتے ہیں دو عالم جسے اہلِ عالم
دو باب یہ حیدرؑ کی فضیلت کے ہیں

(رباعیات: ۱۰۰)

۱۹۴

عشرے کے جو دن یاد ہمیں آتے ہیں
جی بھر کے نہ روئے یہی پچھتاتے ہیں
رونا آئے تو خوب رو لو یارو!
چہلم کے بھی ایّام چلے جاتے ہیں

(رباعیات: ۱۳۸)

۱۹۵

غافل وُہ ہے جو عاقبت اندیش نہیں
وہ کون سا نوش ہے جو بے نوش نہیں
جاتے ہیں جہاں سے لوگ آگے پیچھے
افسوس کہ کچھ تجھ کو پس و پیش نہیں [رباعیات: ۱۷۴]

۱۹۶

فرصت نہ ذرا چشم کو اک پل بھر دوں
ہو جائیں پہاڑ غرق، جنگل بھر دوں
کیا اَبر مقابلہ کرے گا میرا
دم بھر روؤں اگر تو جل تھل بھر دوں [رباعیات: ۲۳۴]

۱۹۷

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں
بے شبہہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں
کیونکر نہ کریں لوگ قیامت برپا
بے سر ہوئے شبیرؑ ستم کے دن ہیں (رباعیات: ۱۵۸)

۱۹۸

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں
تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں میں
بخشے مرے جُرم تُو نے لاکھوں یارب!
رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

[رباعیات: ۸۰]

۱۹۹

کچکول کو تاجِ خسروانی کر دیں
درویش کو اسکندرِ ثانی کر دیں
مختار ہیں سرودِ گرم عالم کے علیؑ
چاہیں تو ابھی آگ کو پانی کر دیں

[رباعیات: ۱۰۰]

۲۰۰

کچھ جس سے نہیں حصول وہ کِشت ہوں میں
قابِل نہیں تعمیر کے وہ خِشت ہوں میں
ناچار، جو مولا بھی شفاعت نہ کریں
مشّاطہ کا کیا گِلہ کہ خود زِشت ہوں میں
(رباعیات: ۲۵۰)

۲۰۱

کچھ فرق کلامِ کہنہ و نَو میں نہیں
مُنصف ڈھونڈوں[1] تو ایک بھی سَو میں نہیں
تھا یوں نہ کبھی گوہرِ مضموں بے قدر
انصاف، فلک! تیری قلم رَو میں نہیں

[1] ڈھونڈو (رباعیات: ۱۹۸؛ رم: ۱۰۰) ڈھونڈوں (ذنل ۳: ۲۵۸)]

۲۰۲

کِس بات میں کید[1] کِس میں تزدیر نہیں
جُز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
اِس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
مِسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

[[1] کید (حیات: ۱۳۳) مکر (شاعرِ اعظم: ۱۲۷)]

۲۰۳

کِس جسم پہ بَل کروں کہ شہزور ہوں میں
دیکھو کہ ضعیف صُورتِ مور ہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد
ہوتا ہے یقیں کہ زندہ درگور ہوں میں

[رباعیات : ۲۳۶ ؛ رم : ۴۷]

۲۰۴

کِس دن فرسِ خامہ تگ و دَو میں نہیں
مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سَو میں نہیں
ہرچند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ سُخن
پر غیرِ دوات کچھ قلمرو میں نہیں

[حیات : ۱۳۷ ؛ رم : ۱۰۱ ؛ رباعیات : ۲۳۲]

۲۰۵

کس زیست پہ میل مال و اسباب کریں
کیوں زر کی ہوس میں دل کو بے تاب کریں
اک پارۂ نان کے لیے لاحولَ وَ لاَ
اس گوہرِ آبرو کو بے آب کریں

[میرانیس : ۸۷ ؛ رن : ۴۴]

۲۰۶

کِس مُنھ سے کہوں لائقِ تحسیں ہوں میں
کیا لُطف جو گُل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر، کہ شیریں ہوں میں

رم: ۸۳) میں نہیں ہے جو غلط ہے۔ (حیات: ۱۳۵؛ کاشف ۲: ۲۹۲؛ رباعیات ۲۱۹ میں موجود ہے]

۲۰۷

کہہ دے کوئی عیب جُو سے سرگوشی میں
دھنپ جاتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں
دامن ہے چراغِ فکر کو جنبشِ لب
یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں (رباعیات: ۲۱۵)

۲۰۸

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں
تندِ نگہ، بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں مُرغِ معانی بچ کر
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں (رباعیات: ۲۲۳)

۲۰۹

گر ہاتھ میں زر نہیں، تو کچھ باک نہیں
موجود کفن تو ہے جو پوشاک نہیں
کہنے کو ہے خاک و آتش و آب و ہوا
یاں گردِ کدورت کے سِوا خاک نہیں

[رباعیات: ۱۹۷]

۲۱۰

گُلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا[۱] تری قُدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

[۱] سودِ حیات: ۱۳۱) جادرم: ۲۳؛ رباعیات: ۲۰۸؛ کاشف ۲: ۲۸۹)]

۲۱۱

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعثِ نغمہ سنجیِ بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی منھ جو زباں بند کروں

[حیات ۲، ۱۳۲؛ رباعیات: ۲۲۵؛ رم: ۱۲۰]

۲۱۲

گو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
لب خشک ہیں، چشم تر ہے خاموش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا
مانندِ حباب خانہ بر دوش ہوں میں

[کاشف ۲: ۲۹۰؛ حیات: ۱۳۱؛ رم: ۱۱۴]

۲۱۳

مدّاحِ شہِ یثرب و بطحا ہم ہیں
ہر عیب[۱] و غرور سے مبرّا ہم ہیں
گو[۲] دل میں ہزاروں دُرِ مضموں ہیں مگر
خاموش بسانِ لبِ دریا ہم ہیں

[۱] نقص و عیوب (نک ۶: ۲۲۶) غلط۔ ہر کے ساتھ عیوب بصیغۂ جمع مستعمل نہیں۔ [۲] گر (نب ۱: ۲۸۸) غلط، متن رُباعی مطابق (نل ۴: ۲۶)]

۲۱۴

مُڑ کر کب تک اِدھر اُدھر دیکھوں میں
حیران ہے نظر کِدھر کِدھر دیکھوں میں
دُنیا ہو کہ عقبےٰ ہو، فلک ہو کہ زمیں
تُو ہی تُو ہے جِدھر جِدھر دیکھوں میں

[رباعیات: ۸۷؛ رم: ۱۵]

۲۱۵

مشکِ[۱] ختنِ نظم کہاں بند کروں
مہکے گا یہ آپ اِس کو جہاں بند کروں
ہیں نافہ[۲] کشائے سخن اِس بزم کے لوگ
دل ان کے کھُلیں کب جو زباں بند کروں

۱ مشک و ختن (رباعیات: ۲.۲۲۶) غلط۔ ۲ راز (نسخۂ خطی مرثیہ)

۲۱۶

مصروف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں
مردُم کے لیے عزّ و شرف آنکھیں ہیں
جوشِ غمِ شبّیرؑ سے دل ہے دریا[۱]
آنسو گوہر ہیں اور صدف آنکھیں ہیں

۱ دل دریا ہے (رباعیات: ۱۴۲)

۲۱۷

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں
علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں
مختار الملک و بندگانِ عالی[1]
رحمت رحمت پہ، نور پر نور ہے یاں

[(رباعیات : ۲۰۴۲) [1] نظام حیدرآباد]

۲۱۸

میخانۂ کوثر کا شرابی ہوں میں
کیا قبر کا خوف بوترابی ہوں میں
کہتی ہے یہ چشم خشک رکھو نہ مجھے
اے اہلِ نظر مردم آبی ہوں میں

[رباعیات ۱۴۰؛ رم: ۴۳]

۲۱۹

میزانِ سخن سنج میں تُلتا ہوں میں
فکرِ گہرِ نظم میں گھُلتا ہوں میں
دل رہتا ہے بند قفلِ ابجد کی طرح
جب حرف شناس ہو تو کھُلتا ہوں میں[1]

[رباعیات: ۲۲۶] [1] یہ رباعی مرزا دبیر سے بھی منسوب ہے۔]

۲۲۰

میزانِ کرم میں جب جرم تُل جاتے ہیں
فردوس میں مثلِ بُوئے گُل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح
عُقدے جو ہزاروں ہوں تو کھُل جاتے ہیں

[رباعیات: ۹۴]

۲۲۱

نا فہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست، سب کی سُن لیتا ہوں
چُھپتی نہیں بوئے دوستانِ یک رنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھُول چُن لیتا ہوں

[حیات: ۱۳۲؛ رباعیات: ۱۹۹؛ رم: ۶۸]

۲۲۲

ناقدریِ احباب سے حیراں ہوں میں
آئینہ فروشِ شہرِ کوراں ہوں میں
ہے اِک نظرِ لُطف ہماری قیمت
بینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

(رباعیات: ۲۴۸)

۲۲۳

نا گھر میں کفن نہ بوریا رکھتے ہیں
دامن میں گُلِ اشکِ عزا رکھتے ہیں
انجام پہ ہے نظر سوم ہو کہ نہ ہو
یہ پھول ابھی سے ہم اُٹھا رکھتے ہیں

(رباعیات: ۱۴۳)

۲۲۴

واحد ہے جو، عبدِ نیک نام اُس کا ہوں
یکتا ہے جو، مدّاح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیسؔ
قنبرؔ کا جو مولا ہے، غلام اُس کا ہوں [رباعیات: ۱۱۰]

۲۲۵

ہر بند پہ ذاکر کو صلا دیتے ہیں
ہر شعر کی داد جا بجا دیتے ہیں
کیا جانیے کاملوں پہ کیا ہوئے گا لُطف
مجھ سے ناقِص کا دل بڑھا دیتے ہیں

[رباعیات: ۲۵۰]

۲۲۶

ہر دَم ہے خیالِ عُذر خواہی دِل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دِل میں
ناسُخ[1] کی طرح خطامیں گزری سب عُمر
بالوں پہ سپیدی ہے، سیاہی دل میں

[1] پارہ (ٹیک ۵: ۲۱۲) غلط۔ ناسخ (دم: ۱۳۱؛ رباعیات: ۱۹۷؛ ناسخ: حیات: ۱۲۳]

۲۲

ہر وقت زمانے کا سِتم سہتے ہیں
حاسد جو بُرا کہے تو چُپ رہتے ہیں
اچھے[۱] تو بُروں کو بھی کہتے ہیں نیک
جو بد ہیں وہ اچھوں[۲] کو بُرا کہتے ہیں

[جونیک ہیں وہ بدوں کو بھی (رم: ۱۴۵) ۲ اچھوں (رباعیات: ۲۲۰) نیکوں (رم)]

۲۲۸

ہم لوگ اگر قدرِ غمِ شاہ کریں
سر پیٹنے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں
ہر دانۂ اشک ہے ثوابِ تسبیح
تہلیل کا اجر ہے اگر آہ کریں [رباعیات: ۱۴۵]

۲۲۹

ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں
پاتا نہیں تُند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

[رباعیات: ۲۰۷؛ رم: ۵۲]

۲۳۰

ہو خاک دلا اُمّید آزادی میں
حاصل ہو بلندی تجھے بربادی میں
آساں نہیں کچھ طریقِ عشقِ معبود
موسیٰؑ بھی تو ایمن تھے نہ اس وادی میں [بک ۶:۱۵۲]

۲۳۱

ہے آج وہ دن کہ انبیا روتے ہیں
گردوں پہ ملک اشکوں سے مُنھ دھوتے ہیں
دُنیا سے محمدؐ کا وصی اُٹھتا ہے
بن باپ کے سبطینِ نبی ہوتے ہیں

[رباعیات ۱۴۶]

۲۳۲

ہے تیزیِ عقل و ہوش بیہوشی میں
باتوں میں یہ لُطف ہے نہ سرگوشی میں
سمجھے جو زبانِ بے زبانی تو کہوں
جو مجھ کو مزا مِلا ہے خاموشی میں

(رباعیات: ۲۵۰)

۲۳۳

ہے روحِ امیں علیؑ کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کمتریں ثنا خوانوں میں
خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہے
دن کو ذرّوں میں شب کو پروانوں میں

[ط ۲: ۲۵۱؛ رباعیات: ۱۰۲]

۲۳۴

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں
احوال یہ گو مگو ہے، کہنے کا نہیں
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل،
ہُشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

[رباعیات: ۱۷۶؛ رم: ۱۴۴]

۴۳۳

کونین کی دولت ہے عنایت تیری
ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
مستوجبِ دوزخ ہوں، اگر عدل کرے
یارب! اگر بخش دے تو رحمت تیری

[رباعیات: ۷۹؛ رم: ۳۴]

۴۳۴

کہتے تھے لعیں لُوٹ میں زر پائیں گے
اسبابِ شہِ جنّ و بشر پائیں گے
یہ گوہرِ مقصود ملے گا اُس دم
جب فاطمہؓ کے لال کا سر پائیں گے

[رباعیات: ۱۵۱]

۴۳۵

کہتی تھی بتولؓ آہ ، یارب ! کیا ہے
کچھ خود بخود آج دل مرا اُمڈا ہے
پڑتی ہے گلے میں آبِ کوثر کی گرہ
شاید مرا شبّیرؑ کہیں پیاسا ہے

(رباعیات : ۱۵۲)

۴۳۶

کھینچے ہوئے سر کو تُو کہاں پھرتا ہے؟
پیری میں بہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اِس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

[رباعیات : ۱۹۰؛ کاشف ۲ : ۲۸۹؛ رم : ۶۳]

۴۳۷

کیا اس کی صفت میں پھر کوئی بات کرے
خود جس کی ثنا رسولؐ دن رات کرے
پیدا کیا مرتضیٰ علیؑ سا بندہ
کیونکر یدِ قدرت نہ مباہات کرے

[رباعیات: ۹۷]

۴۳۸

کیا بھائیوں کے اُنس کا اندازہ ہے
ہر وقت گلِ عشق تر و تازہ ہے
یہ باب میں حیدرؑ کے نبیؐ کہتے ہیں
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

[رباعیات: ۸۸]

۴۳۹

کیا جانیے صبر و تاب کہتے ہیں کسے
آرام ہے کیا، شباب کہتے ہیں کسے
پُھنکتا رہتا ہوں تا سحر صورتِ شمع
آگاہ نہیں کہ خواب کہتے ہیں کسے

(رباعیات: ۲۴۸)

۴۴۰

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے
آفت میں پھنسے، دامِ[1] بلا میں آئے
اس طرح عدم سے آئے دُنیا میں انیسؔ
جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

[[1] دارِ فنا (حیات: ۱۳۶) (رم بلا (رم: ۸۹؛ رباعیات: ۱۸۸]

۴۴۱

کیا فیض علیؑ کے قدمِ پاک سے ہے
روضے کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں دُرِّ نجف، قطرۂ آب
پانی کی بھی آبرو اُسی خاک سے ہے

[رباعیات: ۱۱۳؛ رم: ۲۷]

۴۴۲

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی
مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی
مِلتا ہے قدم قدم پر دُرِّ مقصود
چھانے، تو نجف کی خاک چھانے کوئی

(رباعیات: ۱۱۳)

۴۴۳

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

[حیات: ۱۳۴؛ رباعیات: ۲۱۴؛ رم: ۸۲]

۴۴۴

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گیے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گیے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے احباب[۱]
ہمراہ اگر گیے تو اعمال گیے

[۱ سب لوگ ذیل ۴: ۴۴۲؛ کاشف ۲: ۲۹۳؛ حیات: ۱۹۴؛ سب دوست در باعیات: ۱۹۶]

۴۴۵

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے
کیا عزّ و شرف امامِ غازی کا ہے
سجدے کا نشاں دیکھ کے سب کہتے تھے
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

[رباعیات: ۱۰۸]

۴۴۶

کیا ہو سکے، بحرِ طبع گو جوش پہ ہے
اِک مہر سی گویا لبِ خاموش پہ ہے
کِس طرح کروں قطع تِری مدح کی راہ
پشتارہ گناہوں کا مِرے دوش پہ ہے

(رباعیات: ۲۴۷)

۴۴۷

کیوں آہ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے
کس طرح نہ اشک چشمِ تر سے نکلے
کیوں دل نہ اُداس ہوں عزاداروں کے
شبیرؑ انھیں دنوں میں گھر سے نکلے

(رباعیات: ۱۲۸)

۴۴۸

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے
ناداں یہ کسے فریب تُو دیتا ہے
لازم نہیں اپنے مُنھ سے تعریف انیسؔ
خالص ہے جو مُشک آپ بُو دیتا ہے

[رباعیات: ۲۱۹؛ حیات: ۱۳۴؛ رم: ۷۷]

۴۴۹

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں، کدھر پھرتا ہے
اللہ رے پیری میں ہوس دُنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

[رباعیات: ۲۰۵؛ حیات: ۱۳۵؛ کاشف ۲: ۲۹۴؛ رم: ۹۹]

۴۵۰

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے
جب مُلک کو یوں غنیم[۱] برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوندِ کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے[۲]

[۱ چرخِ پیر در رباعیات : ۲۴۱؛ رم: ۶۵) یوں غنیم (حاشیہ رباعیات: ۱۴۱؛ ط۲: ۲۷)
۲ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی طرف اشارہ ہے]

۴۵۱

گر دوستیِ علیؑ میں مر جائیں[1] گے
بگڑے ہوئے سب کام سنور جائیں[1] گے
جس وقت کہیں گے مُنھ سے یا شیرِ خدا
جوں برق، صراط سے گزر جائیں[1] گے

[[1] جاویں (ط ۲ : ۱۴۵) جائیں (رباعیات : ۹۵)]

۴۵۲

گر شیرِ خدا زیست کا بانی ہو جائے
اعجازِ مسیحا کا، کہانی ہو جائے
چاہیں جو علیؑ فنا سے تبدیلِ بقا
مرگِ مُبرم بھی زندگانی ہو جائے

[رباعیات : ۹۳]

۴۵۳

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عُمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں[1] توشۂ آخرت مہیّا کرلے
غافِل تجھے دُنیا سے سفر کرنا ہے

[1 بس (حیات: ۱۳۶) ہاں (رم: ۸۵؛ رباعیات: ۱۷۶]

۴۵۴

گر نیّرِ دیں کی مہربانی ہو جائے
ذرّہ ابھی خورشیدِ کا ثانی ہو جائے
لعلِ لبِ حیدرؑ سے جو ہو حکمِ شفا
پتّھر ہو اگر مرض تو پانی ہو جائے

[رباعیات: ۹۳]

۴۵۵

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تیری
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تیری
یارب! مجھے طولِ عمر دے تو، لیکن
وہ عمر جو کام آئے[1] اطاعت میں تیری

[1] 'آئے'، ندارد (نب ۳ : ۵۶) متن، مطابق (رم: ۴۲؛ ط ۳: ۱۴۲)

۴۵۶

گلچیں[1] تو بھلا چمن سنوارے ایسے
مجلس ایسی نبی کے پیارے ایسے
کہتی ہے زمیں کبھی نہ دیکھے ہوں گے
گردوں نے بھی گنجان ستارے ایسے

[1] اس سلسلے میں رباعی ع دنیا میں ہیں یہ علیؑ کے پیارے ایسے۔ بھی دیکھیے۔ مضامین تقریباً وہی ہیں اور چوتھا مصرع تو گویا وہی ہے۔ ماخذ: رباعیات: ۱۳۷]

۴۵۷

گلچیں کو غرور گُل فشانی کا ہے
غرّہ بُلبُل کو خوش بیانی کا ہے
خالِ رُخِ اکبرؔ کی جو کی ہے توصیف
دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

(رباعیات: ۲۲۴)

۴۵۸

گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے
صحرا کا کروں عزم تو دریا ہو جائے
موسیٰؑ کا عصا بھی ہاتھ آجائے اگر
قسمت سے مری سوزنِ عیسیٰؑ ہو جائے

(رباعیات: ۲۲۴)

۴۵۹

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

[شاعر اعظم: ۲۷۰؛ حیات: ۱۳۵؛ رم: ۸۸؛ رباعیات: ۷]

۴۶۰

گو حشر میں مہر کی تمازت ہوگی
پر شہ کے عزاداروں کو راحت ہوگی
دل کھول کے اس تنگ مکاں میں رو لو
قبروں میں تو اتنی بھی نہ وسعت ہوگی

(رباعیات: ۱۳۳)

۴۶۱

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیرِ جُستجو دیتا ہے
انسان کو رزق، گُل کو بُو، سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے جِس کو، تُو دیتا ہے

[رباعیات: ۸۲؛ رم: ۱۴]

۴۶۲

گھر چھوڑ کے بہرِ جستجو نِکلیں گے
اس باغِ جہاں سے مثلِ بُو نِکلیں گے
جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورت دلُو
پر جب نکلے بہ آبرو نِکلیں گے

[رباعیات: ۲۰۲؛ رم: [illegible]]

٤٦٣

گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے
اور روضۂ سیّد البشرؐ سے نکلے
کعبے میں بھی ملعونوں نے رہنے نہ دیا
روتے ہوئے اللہ کے گھر سے نکلے

(رباعیات : ۱۴۸)

٤٦٤

گھ ... ماز باہر نکلے
حیدرؑ نکلے
ی یہ ہے
، مر کر نکلے

باعیات: ۷۴؛ رم: ۳۸]

۲۶۴

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
غافل[۱] تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تیرا[۲] دلیل جانے کی ہے

[۱ ناداں (حیات: ۱۳۳؛ رم: ۷۵) ۲ ترا (نب ۱: ۲۸۸) غلط؛ متن مطابق رباعیات: ۱۷۲]

۲۶۵

اب وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
ہے آج سے دورِ شاہیِ شاہِ نجف
یہ رنگِ بہارِ[۳] فتح و فیروزی ہے

[رنگ و بہار رباعیات: ۹۱]

۲۶۶

اپنوں کا گِلہ[۱] نہ غیر ذالک کا ہے
کیوں سعی نہ کی قصور سالک کا ہے
تعزیر دے یا عفو کر اے ربِّ[۲] کریم
مخلوق پہ اختیار مالک کا ہے

[۱ گنہ (رباعیات: ۸۱) گلہ (بک ۵: ۱۵۷) ۲ پر (رباعیات)]

۲۶۷

اِتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے
آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ سوچ[۱] کر ذرا پاؤں انیسؔ
اِک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

---

۱ تو سوچ کے (نل ۳: ۲۰۶) غلط؛ سوچ کے (نرم: ۱۲۹؛ حیات: ۱۳۲) سوچ کر ذرا (رباعیات: ۲۰۴)]

۲۶۸

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے
کیا خوب فضائے چمنِ ماتم ہے
سینے میں کِھلے ہیں گلِ داغِ غمِ شاہ
گرمی سے عرق تن پہ نہیں شبنم ہے

[رباعیات: ۱۲۹؛ رم: ۱۲۹]

۲۶۹

احباب لحد تلک تو پہنچائیں گے
کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل
تب عقدہ کشائی کو امام آئیں گے [رباعیات: ۹۵]

۲۷۰

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہِ مصطفیٰؐ میں آئے
اللہ بزم میں آئے جو محبّانِ علیؑ
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

[۱] گرمی کے دن تھے کہ تمھاری خاطر؛ شبیرؑ وطن سے کربلا میں آئے (بک ۵: ۷۰) لیکن یہ دونوں مصرعے دبیر کے ہیں (رباعیات: ۱۲۴) لطف یہ ہے کہ پہلے دونوں مصرعے انیس و دبیر دونوں ہی کے یہاں مشترک ہیں۔]

۲۷۱

احمؐد کا برادرِ گرامی تو ہے
یا شیرِ خدا خلق میں نامی تو ہے
اے قائدِ خیر و پیشوائے اُمّت
کچھ غم نہیں گر جہاں میں حامی تو ہے

[رباعیات: ۹۳]

۲۷۲

ادبار کا کھٹکا چشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
اُٹھو اُٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

[نب ۳: ۱۷۲، ط۳: رباعیات: ۱۷۴؛ ۶۹؛ شاعر اعظم: ۲۷]

۲۷۳

آرام سے کس دن تہِ افلاک رہے
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دُنیا میں
افسوس نہ جب پنجتنِ پاک[۴] رہے

[در باعیات: ۱۷۴) تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ یہ رباعی مراثی ضمیر، جلد اول
میں بھی موجود ہے]

۲۷۴

آزادی میں آفتِ اسیری آئی
شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی[1]
ایّامِ شباب کس کو کہتے ہیں انیسؔ
موسمِ طفلی کا تھا کہ پیری آئی

[رباعیات: ۲۳۷) [1] سقوطِ اودھ کی طرف اشارہ

۲۷۵

اِس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے
حقّا کہ یہ بزم گُلشنِ جنّت ہے
رونے کو ہیں جمع عاشقانِ شبّیرؑ
کیا[1] لوگ ہیں کیا وقت ہے، کیا صحبت ہے

[رباعیات نمبر ۱۲۱] [1] متنِ مطابق (نل ۴ : ۲۶۸) اللہ کیا وقت ہے، کیا لوگ ہیں کیا صحبت ہے

۲۷۶

اس بزم کی تعریف کا غُل ہر سُو ہے
ایک ایک عزادارِ شہِ خوش خُو ہے
یارب رہے یہ باغِ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گُل ہے گل میں بُو ہے

[نل ۴: ۳۲]

۲۷۷[1]

اُس مُلک سے دُنیا کی ہوس میں آئے
اب جائیں کہاں؟ اجل کے بس میں آئے
گھر سے[2] نکلے تو کنجِ مرقد پایا
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے[3]

[1] مرکر (نل ۴: ۲۲۰؛ رم: ۸۶) رباعیات: ۱۸۲) [2] یہ رباعی مونس سے بھی منسوب ہے۔]

۲۷۸

اعدا رفقائے شہ سے سر بر نہ ہوئے
لڑتے رہے جب تلک کہ بے سر نہ ہوئے
سرداروں کو آرزو رہی دنیا میں
ایسے غازی مگر میسّر نہ ہوئے

[رباعیات: ۱۰۷]

۲۷۹

اعدا نے پیا اور بہایا پانی
لشکر نے حسینؑ کے نہ پایا پانی
بازو بھی کٹائے بازوئے سرور نے
اس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

(رباعیات: ۲۴۶)

۲۸۰

اعلیٰ سے نہ ہوگا کبھی ادنیٰ بھاری
کھل جاتا ہے ذی قدر پہ ہلکا بھاری
حاسد سرکش ہے اور میں اُفتادۂ خاک
اب دیکھیے ہے کون سا پلّہ بھاری

(رباعیات: ۲۳۱)

۲۸۱

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے
اِس زیست پہ کیا حسد ہے کیا کینا ہے
جمؔ کا ہے نہ جام اور نہ داراؔ کا شکوہ
احوالِ سکندرؔ کا تو آئینہ ہے

(رباعیات: ۱۷۵)

۲۸۲

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے!
اِس باغ سے کیا کیا گُلِ رعنا نہ گئے!
تھا کون سا نخل، جس نے دیکھی نہ خزاں؟
وہ کون سے گُل کِھلے جو مُرجھا نہ گئے!

[رباعیات: ۱۷۲؛ حیات: ۱۳۲؛ رم: ۹۶؛ کاشف ۲: ۲۹۱]

۲۸۳

افسوس کہ چین مصطفےٰؐ کو نہ مِلے
آرام علیِؑ مُرتضےٰ کو نہ مِلے
ہم لوگ کِسی سے کیا توقّع رکّھیں
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ مِلے

[رباعیات: ۲۵]

۲۸۴

افسوس یہاں سے نہ سُبک بار چلے
ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے
دُنیا میں تو بے گُناہ آئے، واںؔ سے
یہ کیا ہے کہ عقبےٰ میں گُنہ گار چلے

[لہ وہاں (رم: ۱۳۱) غلط؛ واں ـ رباعیات: ۱۹۵)]

۲۸۵

افسوس یہ عصیاں، یہ تباہی دل کی
کی خوب انیسؔ خیر خواہی دل کی
نازاںؔ ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید
بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

[لہ کپڑے اُجلے پہن کے نازاں ہوئے تم ذنب ۱: ۳۰۳) ناراں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید
(رباعیات: ۲۰۴]

۲۸۶

افلاکِ شرافت کے سِتارے آئے
فردوس سے یاں نبیؐ کے پیارے آئے
مجلس میں ہُوا روحِ ائمہؑ کا گزر
رونے کو طرفدار ہمارے آئے

[رباعیات ۱۲۲]

۲۸۷

اِک شعلۂ نور طور سے آیا ہے
مژدہ جان بخش دور سے آیا ہے
باندھو کمر آداب بجا لاکے انیسؔ
فرمانِ طلب حضور سے آیا ہے

(رباعیات : ۲۴۰)

۲۸۸

اِک کہنہ روا آلِ عبا کو نہ مِلے
تُربت مظلومِ کربلا کو نہ مِلے
کیا ظلم ہے یہ اے فلکِ ناانصاف!
پانی فرزندِ مصطفےٰ کو نہ مِلے
[رباعیات: ۱۶۴]

۲۸۹

اِک نور کا گھر شہ کا عزا خانہ ہے
آباد محبّوں سے یہ کاشانہ ہے
کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری
جبریل اسی شمع کا پروانہ ہے [رباعیات: ۱۴۰]

۲۹۰

اللہ و رسولؐ حق کی اِمداد رہے
سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نوّاب ایسا رئیسِ اعظم ایسے
یارب آباد حیدرآباد رہے

(رباعیات: ۲۴۲)

۲۹۱

اُلفت ہے نہ پاس ربطِ دیرینہ ہے
مُنھ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے
گر کیجیے اِمتحاں تو قلعی کھُل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

(رباعیات: ۱۹۷)

۲۹۲

آلودہ عبث اس غمِ جانکاہ میں ہے
زندہ ہے وہ دل جو یادِ اللہ میں ہے
اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیسؔ
پہنچا کوئی منزل پہ، کوئی راہ میں ہے

[رباعیات: ۱۷۳؛ حیات: ۱۳۷؛ رم: ۹۳]

۲۹۳

اِمداد کو شیرِ حق لحد میں پہنچے
کچھ غم نہیں اب کہ اپنی حد میں پہنچے
تُربت جو ہوئی بند، کھُلا خُلد کا در
خنداں خنداں جوارِ جد میں پہنچے [رباعیات: ۹۵]

۲۹۴

اُمّید کِسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے اِس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیسؔ
مِلتی نہیں جا بزم میں تِل دھرنے کی

[ؔ یہ رباعی ۱۸۵۷ء کی ہلچل کے بعد نواب تجمل حسین خاں کی بارہ دری، لکھنؤ، میں کسی ڈپٹی کلکٹر کی بنا کردہ مجلس میں انیس نے پڑھی تھی۔ جنگ آزادی کی افراتفری کے باوجود، مجلس میں بڑا مجمع ہوا۔ مفتی میر محمد عباس صاحب بھی شریک ہوئے تھے۔ اسی مجلس کی طرف اشارہ ہے۔ [رباعیات: ۱۲۵]

۲۹۵

انجام بخیر، اِبتدا بِگڑی ہے
گھر گِر نہ پڑے کہیں بِنا بِگڑی ہے
کشتی سے انیسؔ ہم کنارے ہو جائیں
اُلٹا دریا بہا، ہوا بِگڑی ہے[1]

[رباعیات: ۲۴۱؛ رم: ۱۱۵] [1] ۱۸۵۷ء کی جنگ کی طرف اشارہ ہے۔]

۲۹۶

اندوہ و الم سے کب یہ جاں بچتی ہے
نہ قلب نہ روحِ ناتواں بچتی ہے
یوں سنگ دلوں میں رہ کے جان اپنی بچا
جس طرح کہ دانتوں سے زباں بچتی ہے

[رباعیات : ۲۱۳؛ رم: ۱۴۶]

۲۹۷

اندیشے میں دن تمام ہوجاتا ہے
زنداں گھر، وقتِ شام ہوجاتا ہے
زرداروں سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف
شب کا سونا حرام ہوجاتا ہے

(رباعیات : ۲۰۷)

۲۹۸

انساں ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن، تو بتلائیے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

[ط ۲: ۲۷؛ حیات: ۱۳۰؛ رباعیات،

۲۹۹

آنسو رُخِ مومن کے لیے غازہ ہے
شیعہ کی لحد خُلد کا دروازہ ہے
داغِ غمِ شاہ سے ہے تُربت روشن
یہ پھول خزاں میں بھی تر و تازہ ہے [رباعیات: ۱۴۵]

۳۰۰

اِنس و مَلک و حُور کی مجلس یہ ہے
تاجِ سرِ جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گُناہ کی سیاہی زائل
واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

[رباعیات: ۱۱۲]

۳۰۱

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی ردا مُنھ پر پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

[کاشف ۲: ۲۹۱؛ رباعیات: ۱۳۶]

۳۰۲

اے اہلِ عزا، عزا کے دن آ پہنچے
غم کی راتیں، بُکا کے دن آ پہنچے
فریاد کہ فاطمہؓ کی بستی اُجڑی
آبادیِ کربلا کے دن آ پہنچے

[رباعیات ۱۴۹]

۳۰۳

اے آہ! ترا اثر نہ دیکھا ہم نے
حسرت سے کِدھر کِدھر نہ دیکھا ہم نے
کیا کیا نخلِ ہوس کی شاخیں نِکلیں
لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

(رباعیات : ۲۰۶)

۲۶۴

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
[1] غافل تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تیرا [2] دلیل جانے کی ہے

[[1] ناداں (حیات: ۱۳۳؛ رم: ۷۵) [2] ترا (نب ۱: ۲۸۸) غلط؛ متن مطابق رباعیات: ۱۷۲]

۲۶۵

اب وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
ہے آج سے دَورِ شاہیِ شاہِ نجف
یہ رنگِ بہار [3] فتح و فیروزی ہے
[رنگ و بہار رباعیات: ۹۱]

۲۶۶

اپنوں کا گِلہ[1] نہ غیر ذالک کا ہے
کیوں سعی نہ کی قصور سالک کا ہے
تعزیر دے یا عفو کر اے ربِّ[2] کریم
مخلوق پہ اختیار مالک کا ہے

[1 گِنہ (رباعیات: ۸۱) گلہ (بک ۵: ۱۵۷) 2 پر (رباعیات)]

۲۶۷

اِتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے
آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ سوچ[1] کر ذرا پاؤں انیسؔ
اِک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

1 تو سوچ کے (نل ۳: ۲۰۶) غلط؛ سوچ کے (نرم: ۱۲۹؛ حیات: ۱۳۲) سوچ کر ذرا (رباعیات: ۲۰۴)

۲۶۸

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے
کیا خوب فضائے چمنِ ماتم ہے
سینے میں کھِلے ہیں گلِ داغِ غمِ شاہ
گرمی سے عرق تن پہ نہیں شبنم ہے

[رباعیات: ۱۲۹؛ رم: ۱۲۹]

۲۶۹

احباب لحد تلک تو پہنچائیں گے
کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جِس وقت پڑے گی مشکل
تب عقدہ کشائی کو امام آئیں گے [رباعیات: ۹۵]

۲۷۰

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے
آئے تو پناہِ مصطفیٰؐ میں آئے
اسؔ[1] بزم میں آئے جو محبّانِ علیؑ
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

[1] گرمی کے دن تھے کہ تمھاری خاطر؛ شبیرؑ وطن سے کربلا میں آئے (ربک ۵:۷۰) لیکن یہ دونوں مصرعے دبیر کے ہیں (رباعیات: ۱۲۴) لطف یہ ہے کہ پہلے دونوں مصرعے انیس و دبیر دونوں ہی کے یہاں مشترک ہیں۔]

۲۷۱

احمدؐ کا برادرِ گرامی تو ہے
یا شیرِ خدا خلق میں نامی تو ہے
اے قائدِ خیر و پیشوائے اُمّت
کچھ غم نہیں گر جہاں میں حامی تو ہے

[رباعیات: ۹۳]

۲۷۲

ادبار کا کھٹکا چشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
اُٹھّو اُٹھّو یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

[نب ۳: ۱۷۲، ط۳: رباعیات: ۱۷۴؛) ۶۹؛ شاعر اعظم: ۲۷]

۲۷۳

آرام سے کس دن تہِ افلاک رہے
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دُنیا میں
افسوس نہ جب پنجتنِ پاکؑ رہے

[در رباعیات: ۱۷۴) تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ یہ رباعی مراثی ضمیر، جلد اول میں بھی موجود ہے]

۲۷۴

آزادی میں آفتِ اسیری آئی
شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی[1]
ایّامِ شباب کس کو کہتے ہیں انیسؔ
موسمِ طِفلی کا تھا کہ پیری آئی

[رباعیات : ۲۳۷) [1] سقوطِ اودھ کی طرف اشارہ ہے

۲۷۵

اِس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے
حقّا کہ یہ بزم گُلشنِ جنّت ہے
رونے کو ہیں جمع عاشقانِ شبیّرؑ
کیا[1] لوگ ہیں کیا وقت ہے، کیا صحبت ہے

[[1] کیا وقت ہے، کیا لوگ ہیں کیا صحبت ہے (نل ۴ : ۲٦۸) متن مطابق رباعیات نمبر ۲ ...

۲۷۶

اس بزم کی تعریف کا غُل ہر سُو ہے
ایک ایک عزادارِ شہِ خوش خُو ہے
یارب رہے یہ باغِ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گُل ہے گل میں بُو ہے

[نل ۴: ۳۲]

۲۷۷

اُس مُلک سے دُنیا کی ہَوس میں آئے
اب جائیں کہاں؟ اجل کے بس میں آئے
گھر سے نکلے تو کنجِ مرقد پایا
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے[۲]

[۱] مرکر (نل ۴: ۲۲۰؛ رم: ۸۶) رباعیات: ۱۸۲) [۲] یہ رباعی مونس سے بھی منسوب ہے۔]

۲۷۸

اعدا رفقائے شہ سے سربر نہ ہوئے
لڑتے رہے جب تلک کہ بے سر نہ ہوئے
سرداروں کو آرزو رہی دُنیا میں
ایسے غازی مگر میسّر نہ ہوئے

[رباعیات: ۱۰۷]

۲۷۹

اعدا نے پیا اور بہایا پانی
لشکر نے حسینؑ کے نہ پایا پانی
بازو بھی کٹائے بازوئے سرور نے
اُس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

(رباعیات: ۲۴۶)

۲۸۰

اعلیٰ سے نہ ہوگا کبھی ادنیٰ بھاری
کھل جاتا ہے ذی قدر پہ ہلکا بھاری
حاسد سرکش ہے اور میں اُفتادۂ خاک
اب دیکھیے ہے کون سا پلّہ بھاری

(رباعیات: ۲۳۱)

۲۸۱

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے
اِس زیست پہ کیا حسد ہے کیا کینا ہے
جمؔ کا ہے نہ جام اور نہ داراؔ کا شکوہ
احوالِ سکندؔر کا تو آئینہ ہے

(رباعیات: ۱۷۵)

۲۸۲

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے!
اِس باغ سے کیا کیا گُلِ رعنا نہ گئے!
تھا کون سا نخل، جس نے دیکھی نہ خزاں؟
وہ کون سے گُل کھِلے جو مُرجھا نہ گئے!

[رباعیات: ۱۷۲؛ حیات: ۱۳۲؛ رم: ۹۶؛ کاشف ۲: ۲۹۱]

۲۸۳

افسوس کہ چین مصطفےٰ کو نہ مِلے
آرام علیؑ مُرتضےٰ کو نہ مِلے
ہم لوگ کِسی سے کیا توقّع رکھّیں
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ مِلے

[رباعیات: ۲۵]

۲۸۴

افسوس یہاں سے نہ سُبک بار چلے
ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے
دُنیا میں تو بے گُناہ آئے، واںؔ[1] سے
یہ کیا ہے کہ عقبیٰ میں گُنہ گار چلے

[[1] وہاں (رم: ۱۳۱) غلط، واں - رباعیات: ۱۹۵]

۲۸۵

افسوس یہ عصیاں، یہ تباہی دل کی
کی خوب انیسؔ خیر خواہی دل کی
نازاںؔ[1] ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید
بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

[[1] کپڑے اُجلے پہن کے نازاں ہوئے تم (ذب ۱: ۳۰۴) نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید (رباعیات: ۲۰۴)]

۲۸۶

افلاکِ شرافت کے ستارے آئے
فردوس سے یاں نبیؐ کے پیارے آئے
مجلس میں ہُوا روح ائمہؑ کا گزر
رونے کو طرفدار ہمارے آئے

[رباعیات ۱۲۲]

۲۸۷

اِک شعلۂ نور طور سے آیا ہے
مژدہ جان بخش دور سے آیا ہے
باندھو کمر آداب بجا لا کے انیسؔ
فرمانِ طلب حضور سے آیا ہے

(رباعیات : ۲۴۰)

۲۸۸

اِک کہنہ روا آلِ عبا کو نہ مِلے
تُربت مظلومِ کربلا کو نہ مِلے
کیا ظلم ہے یہ اے فلکِ ناانصاف!
پانی فرزندِ مصطفےٰ کو نہ مِلے
[رباعیات: ۱۶۴]

۲۸۹

اِک نور کا گھر شہ کا عزاخانہ ہے
آباد محبّوں سے یہ کاشانہ ہے
کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری
جبریل اسی شمع کا پروانہ ہے [رباعیات: ۱۴۰]

۲۹۰

اللہ و رسولِ حق کی اِمداد رہے
سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نوّاب ایسا رئیسِ اعظم ایسے
یارب آباد حیدرآباد رہے

(رباعیات: ۲۴۲)

۲۹۱

اُلفت ہے نہ پاس ربطِ دیرینہ ہے
مُنھ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے
گر کیجیے اِمتحاں تو قلعی کھُل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

(رباعیات: ۱۹۷)

۲۹۲

آلودہ عبث اس غمِ جانکاہ میں ہے

زندہ ہے وہ دل جو یادِ اللہ میں ہے

اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیسؔ

پہنچا کوئی منزل پہ، کوئی راہ میں ہے

[رباعیات: ۱۶۷؛ حیات: ۱۳۷؛ رم: ۹۳]

۲۹۳

اِمداد کو شیرِ حق لحد میں پہنچے

کچھ غم نہیں اب کہ اپنی حد میں پہنچے

تُربت جو ہوئی بند، کھُلا خُلد کا در

خنداں خنداں جوارِ جَد میں پہنچے [رباعیات: ۹۵]

۲۹۴

اُمّید کِسے تھی بزم کے بھرنے کی
اللہ جزا دے اِس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیسؔ
مِلتی نہیں جا بزم میں تِل دھرنے کی

[لہ یہ رباعی ۱۸۵۷ء کی ہلچل کے بعد نواب تجمل حسین خاں کی بارہ دری، لکھنؤ، میں کسی ڈپٹی کلکٹر کی بنا کردہ مجلس میں انیس نے پڑھی تھی۔ جنگ آزادی کی افراتفری کے باوجود مجلس میں بڑا مجمع تھا۔ مفتی میر محمد عباس صاحب بھی شریک ہوئے تھے۔ اسی مجلس کی طرف اشارہ ہے۔ [رباعیات: ۱۲۵]

۲۹۵

انجام بخیر، اِبتدا بِگڑی ہے
گھر گِر نہ پڑے کہیں بِنا بِگڑی ہے
کشتی سے انیسؔ ہم کنارے ہو جائیں
اُلٹا دریا بہا، ہوا بِگڑی ہے[لہ]

[رباعیات: ۱۴۲؛ رم: ۱۱۵] لہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کی طرف اشارہ ہے۔]

۲۹۶

اندوہ و الم سے کب یہ جاں بچتی ہے
نہ قلب نہ روحِ ناتواں بچتی ہے
یوں سنگ دلوں میں رہ کے جان اپنی بچا
جس طرح کہ دانتوں سے زباں بچتی ہے

[رباعیات : ۲۱۳؛ رم: ۱۴۰۶]

۲۹۷

اندیشے میں دن تمام ہو جاتا ہے
زنداں گھر، وقتِ شام ہو جاتا ہے
زر داروں سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف
شب کا سونا حرام ہو جاتا ہے

(رباعیات : ۲۰۷)

۲۹۸

انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن، تو بتلائیے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

[ط ۲، ۲۷؛ حیات: ۱۳۰؛ رباعیات: ۱۱

۲۹۹

آنسو رُخِ مومن کے لیے غازہ ہے
شیعہ کی لحد خُلد کا دروازہ ہے
داغِ غمِ شاہ سے ہے تُربت روشن
یہ پھول خزاں میں بھی تر و تازہ ہے [رباعیات: ۱۴۵]

۳۰۰

اِنس و مَلک و حُور کی مجلس یہ ہے
تاجِ سرِ جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گُناہ کی سیاہی زائل
واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

[رباعیات: ۱۱۲]

۳۰۱

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی ردا مُنھ پر پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

[کاشف ۲: ۲۹۱؛ رباعیات: ۱۳۶]

۳۰۲

اے اہلِ عزا، عزا کے دن آ پہنچے
غم کی راتیں، بُکا کے دن آ پہنچے
فریاد کہ فاطمہؓ کی بستی اُجڑی
آبادیِ کربلا کے دن آ پہنچے

[رباعیات ۱۴۹]

۳۰۳

اے آہ! ترا اثر نہ دیکھا ہم نے
حسرت سے کِدھر کِدھر نہ دیکھا ہم نے
کیا کیا نخلِ ہوس کی شاخیں نِکلیں
لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

(رباعیات : ۲۰۶)

۳۰۴

اے بادشہِ کون و مکاں ! اَدْرِکْنِی

اے عقدہ کشائے دوجہاں ! اَدْرِکْنِی

اب تنگ ہے دُشمنوں کے ہاتھوں سے انیسؔ

یا حضرتِ صاحب الزّماں ! اَدْرِکْنِی

[رباعیات: ۲۴۳]

۳۰۵

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے

گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے

سرمست ہیں حبِّ ساقیِ کوثر سے

آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیمانہ ہے

[رباعیات: ۹۰؛ رم: ۸۵؛ حیات: ۱۳۰]

۳۰۶

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر، صد شکر
دربارِ ابو تراب دیکھا ہم نے

[رباعیات: ۱۱۱]

۳۰۷

بانو کہتی تھی ہائے! اکبر نہ رہے
غم رہ گیا، ہمشکلِ پیمبرؐ نہ رہے
ہو کر چھ مہینے کے گیے دُنیا سے
گھر میں مرے سال بھر بھی اصغرؑ نہ رہے

(رباعیات: ۱۵۴)

۳۰۸

بخشش کے لیے مرثیہ خوانی ہے مری
غم کے لیے پیری و جوانی ہے مری
رونا ہے کبھی اور کبھی آہیں بھرنا
اِس آب و ہوا سے زندگانی ہے مری

(رباعیات: ۲۳۵)

۳۰۹

برباد کیا ہے طبعِ آوارہ نے
تڑپا رکھا ہے قلبِ صد پارہ نے
شیطاں کی نہ کچھ خطا، نہ قسمت کا قصور
مارا مجھے آہ نفسِ امّارہ نے

(رباعیات: ۲۰۲)

۳۱۰

برعکس ہے گر خاک میں رِل مِل جائے
اِس طرح مِلے بشر کہ دِل مِل جائے
اُلفت کو بھی کیا خدا نے بخشا ہے اثر
جنگل کا جو وحشی ہو تو ہِل مِل جائے

(رباعیات: ۲۱۷)

۳۱۱

بُلبل تِری یاد میں فغاں کرتی ہے
شاخِ گُلِ تر زمیں پہ سر دھرتی ہے
استادہ نہیں قیام میں سرو فقط
قمری بھی تِرے عشق کا دَم بھرتی ہے

(رباعیات: ۲۴۴)

۳۱۲

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے
اندازِ فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مِری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مِرے[1] اشکوں سے[2] روانی سیکھے

[1 مِری (نب ۳: ۳۲۱)؛ غلط 2 کی (ط ۲: ۳۶۳]

۳۱۳

بندوں پہ کرم حضرتِ باری کا ہے
مقدور کسے شکر گزاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو
ثمرہ یہ نہالِ خاکساری کا ہے

[رم: ۲۶؛ لیکن (رد: ۹۸) میں یہ رباعی دبیر سے منسوب ہے]

۳۱۴

بندے کو خیالِ دم بدم تیرا ہے
یہ جسم تِرا ہے اور یہ دم تیرا ہے
کرتا ہے جو مجھ سے زرد رُو کو سرسبز
اے ابرِ کرم یہ سب کرم تیرا ہے

[رباعیات: ۸۳؛ رم: ۲۰]

۳۱۵

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے
آقا آئے، ہمارے آقا آئے
عجلت کا محل ہے پیشوائی کے لیے
اے جان نکل علیؑ اعلیٰ آئے

(رباعیات: ۲۳۹)

۳۱۶

پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے
پھنکتے تھے بدن، رنگ بدل جاتے تھے
اللہ ری ہوائے گرم روزِ عاشور
جب آتی تھی لُو درخت جل جاتے تھے

[رباعیات ۱۵۱]

۳۱۷

پُرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے
ہر گُل کو گِلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہِ گریہ پوچھی تو کہا
رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

[رباعیات: ۶۶؛ رم: ۴۵]

۳۱۸

پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردہ ہے یہی
منزل ہے یہی، بشر کا ماوا ہے یہی
انگشت سے ہر بار یہ کہتا ہے عصا
اے پیرِ زمیں گیر تری جا ہے یہی

[رباعیات ۱۷۷]

۳۱۹

پیدا ہوئے دُنیا میں اِسی غم کے لیے
رونا ہی لکھا ہے چشمِ پُرنم کے لیے
ہم کو دو نعمتیں[۱] خُدا نے دی ہیں
آنکھیں رونے کو، ہاتھ ماتم کے لیے

[۱] دولتیں (نل ۴: ۲۶۸) غلط کیونکہ اس میں ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ روایتِ (رباعیات: ۱۳۱) صحیح ہے۔

۳۲۰

پیری آئی عذار بے نُور ہوئے
یارانِ شباب پاس سے دُور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیسؔ
جو مُشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

[رباعیات: ۱۷۷؛ رم: ۱۳۴؛ کاشف ۲: ۲۹۲]

۳۲۱

پیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے
ہر موئے بدن و بال ہو جاتا ہے
دُنیا میں کمال[1] کو بھی آخر ہے زوال
جب بدر گھٹا[2] ہلال ہو جاتا ہے

[1 کمال کو بھی آخر ہے زوال (ہم: ۱۳۵) عروج کو بھی اک دن ہے زوال (رباعیات: ۲۰۱)
2 ہُوا (رم)]

۳۲۲

تا چرخِ فغاں صبح گاہی نہ گئی
چہرے سے کبھی گردِ تباہی نہ گئی
سب ریش سفید ہو گئی آہ انیسؔ
پر اک سرِ مو دل کی سیاہی نہ گئی

(رباعیات: ۱۹۶)

۳۲۳

تعریف پر اپنی کیوں تجھے غرّہ ہے
خورشید نہ بن خاک کا تو ذرّہ ہے
کچھ پھل نہ ملے گا سینِ تحسین سے انیسؔ
یہ نخلِ ترقّی کے لیے ارّہ ہے

(رباعیات: ۲۴۵)

۳۲۴

تعمیر نہ کر خراب ہونے کے لیے
غافل کیا قبر کم ہے سونے کے لیے
ہے عین خطا یہ چشم پوشی کے لیے
آنکھیں تجھے حق نے دی ہیں رونے کے لیے

[رم: ۱۴۹]

۳۲۵

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی
عزّت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو دینٌ[۱] و ایماں
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی!

[۱] "دین"، ندارد (نب ۱: ۳۲) موجود در رباعیات: ۸۲؛ رم: ۲۵؛ شاعر اعظم: ۲۷]

۳۲۶

تیرِ غمِ شہ سینے میں پیوستہ ہے
ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
ہر رنگ کے گُل جمع ہیں اِس مجلس[2] میں
یہ بزمِ عزا خُلد کا گُلدستہ ہے

[[1] محفل (نل ۶۸۴) مجلس (رباعیات: ۱۲۳) [2] یہ رباعی مونس سے بھی منسوب ہے]

۳۲۷

جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے
پھر ہو گی جُدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہو گا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیسؔ
جِس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

[رباعیات: ۲۰۲؛ رم: ۱۰۶]

۳۲۸

جب تک ہے جواں سیر ہے نظّارہ ہے
پیری سے بھلا بشر کا کیا چارہ ہے
جُھک جائے سوئے زمیں نہ کیونکر قدِ راست
اِک روح پہ یہ خاک کا پُشتارہ ہے

(رباعیات: ۲۰۱)

۳۲۹

جب خاک میں ہستی کا چمن مِلتا ہے
یارانِ وطن پھر، نہ وطن مِلتا ہے
اسبابِ جہاں سے[لہ] دیکھ تو اے غافل
مٹّی مِلتی ہے اور کفن مِلتا ہے

[لہ سے (رباعیات: ۱۹۱) کے ردم: ۱۴۰]

۳۳۰

جب دفن ہُوا شیرِ خدا کا جانی
سجّادؑ نے کی قبر پہ آب افشانی
شبّیرؑ کی پیاس کا کہوں کیا میں اثر
پی گئی خاک جتنا چھڑکا پانی

[رباعیات: ۱۶۳]

۳۳۱

جب دل غمِ شہ سے داغ ہو جاتا ہے
ہر گوشۂ قبر باغ ہو جاتا ہے
مردُم کہتے ہیں جس کو یاں دانۂ اشک
واں گوہرِ شب چراغ ہو جاتا ہے

(رباعیات: ۱۴۱)

۳۳۲

جبریلِ امیں کو فخرِ دربانی ہے
حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

[رباعیات: ۱۹]

۳۳۳

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے
تاریکی سے بی بیوں کے دم بند ہوئے
سر پیٹ کے زینبؓ نے کہا وائے نصیب
بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے[1]

[ذیل ۴ : ۲۶ : رباعیات ۱۶۳) [1] یہ رباعی بھی مونس سے منسوب ہے]

۳۳۴

جب واردِ حشر رونے والے ہوں گے
شاہ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنّت جاگیر میں مِلے گی سب کو
نامے[1] اعمال کے قبالے ہوں گے

[1 نامۂ (ط ۳: ۱۴۳) غلط؛ نامے (رباعیات: ۱۳۳) صحیح]

۳۳۵

جُز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی
پایا اُسے ویراں، جو بستی دیکھی
جو فیل نشیں تھے کل، پیادہ ہیں وہ آج
دُنیا کی بلندی میں یہ پستی دیکھی

(رباعیات: ۱۸۷)

۳۳۶

جُز مدحِ سخن مُنھ سے کوئی کم نِکلے
ہردم سینے سے آہ پُرنم نِکلے
روحی بفداک یا حسین ابنِ علیؑ
نِکلے تو محبّت میں تِری دَم نِکلے

[کاشف ۲:۲۹۲؛ نل ۴:۱۲؛ رباعیات:۴۶]

۳۳۷

جِس جا ذکرِ حسینؑ ہو جاتا ہے
رونے سے دلوں کو چین ہو جاتا ہے
آکر بزمِ عزائے شہ میں رونا
ہرچشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

[رباعیات:۱۳۶]

۳۳۸

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے
غُربت میں کفیل اُس کا خدا ہوتا ہے
کیا خضر کی احتیاج اُسے، کعبے میں
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

[رباعیات: ۱۱۷]

۳۳۹

جس شخص کو عقبیٰ کی طلب گاری ہے
دُنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اِک چشم میں کِس طرح سمائیں دونوں[۱]
غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

[۱ دو نور (نب ۲ [دو نور (نب ۲: ۲۱۷) غلط؛ دونوں (رباعیات: ۱۸۶؛ کاشف ۲: ۲۹۳]

۳۴۰

جنگل کی طپش کنارِ دریا گزری
صدمے سہے، دُکھ اُٹھائے، ایذا گزری
اے اہلِ عزا تمھاری راحت کے لیے
گرمی میں مسافروں پہ کیا کیا گزری

(مبک ۵: ۱۵۸)

۳۴۱

جو بند کہا وہ نذرِ حیدرؑ کے لیے
جو بیت کہی وہ خُلد کے گھر کے لیے
اِس گرمی میں مصروفِ عرق ریزی ہوں
اِک جامِ شرابِ حوضِ[1] کوثر کے لیے

[۱ے میر دبک ۵: ۶۲) غلط؛ حوض (رباعیات: ۱۱۰) درست]

۳۴۲

جو روضۂ حیدرؑ پہ مکیں ہوتا ہے
وہ داخلِ فردوسِ بریں ہوتا ہے
یوں ہوگا بہشت میں نجف کا طبقہ
جس طرح کہ خاتم پہ نگیں ہوتا ہے

(رباعیات: ۱۱۳)

۳۴۳

جو روضۂ شاہِ کربلا تک پہنچے
بے شبہ و شک وہ مصطفےٰؐ تک پہنچے
اللہ ری عزّ و شانِ زوّارِ حسینؑ
پہنچے جو حسینؑ تک، خدا تک پہنچے

[رباعیات: ۱۱۹) دبیر کے یہاں بھی متحد المضمون رباعی ملتی ہے۔ اس میں پہلا مصرعہ جو روضہ شاہ کربلا تک پہنچا، اور آخری مصرع ع پہنچا جو حسین تک خدا تک پہنچا (سبع مثانی؛ رد: ۲۸) ہے]

۳۴۴

جو سو خرمن سے خوشہ چیں ہوتا ہے
دانائے جہاں وہ نکتہ بیں ہوتا ہے
ملتا نہیں نام نیک، بے کاہشِ جاں
کٹتا ہے عقیق تب نگیں ہوتا ہے

(رباعیات: ۲۰۸)

۳۴۵

جو شے تھی تہِ چرخ بریں ہِلتی تھی
ایک ایک صف لشکرِ کیں ہِلتی تھی
اصغر کو جو رن میں دفن کرتے تھے حسینؑ
گہوارے کی مانند زمیں ہِلتی تھی

[رباعیات: ۱۵۵]

۳۴۶

جو شے ہے فنا، اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم، اُسے رسوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عُمر مانندِ حباب
غافل اِس زندگی کو کیا سمجھا ہے

[رباعیات: ۱۶۹؛ حیات: ۱۲۹؛ رم: ۶۰؛ کاشف ۲: ۲۸۸]

۳۴۷

جو صاحبِ فہم ہے وہی انساں ہے
دانا کے لیے فروتنی شایاں ہے
جاہل کبھی جہل سے نہیں پھرنے کا
ناداں کو اگر قلب کرو ناداں ہے

(رباعیات: ۲۰۳)

۳۴۸

جو وصف تہِ تیغِ شاہ آجاتی تھی
اُڑ جاتے تھے سر، شکست پا جاتی تھی
مشہور ہے تلوار کو کھا جاتا ہے زنگ
وہ تیغ تو مورچے کو کھا جاتی تھی

(رباعیات: ۱۰۸)

۳۴۹

جینے سے طبیعت اب ہٹ جاتی ہے
غفلت ہی میں اوقات کٹ جاتی ہے
یہ بے خبری، ہزار افسوس، انیسؔ
بڑھتے ہیں گنہ، عُمر گھٹ جاتی ہے

[رباعیات: ۱۹۵؛ رم: ۱۳۶]

۳۵۰

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دُنیا میں کس[1] نے پائی ہے انیس[2]
جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

[[1] کسی در رباعیات: ۱۱۵) غلط؛ کس در رم: ۷۰) [2] اُنیسؔ نہ ار د نب ۴: ۷۵
؛ (ط ۲: ۲۱۸) موجود در شاعرِ اعظم: ۲۸)؛ در رباعیات: ۱۱۵)]

۳۵۱

حاصل جو شہِ دیں کی حضوری ہو جائے
لاکھوں منزل سقر[3] سے دوری ہو جائے
قُدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت
ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے

[[3] سفر در نب ۱: ۲۸۸) غلط؛ سقر در رباعیات: ۱۱۷) دُرست]

۳۵۲

حاضر ہوں نہ کیوں حضور کی مجلس ہے
حقّا کہ عجب ظہور کی مجلس ہے
دیکھو جدھر آنکھ اُٹھا کے روشن ہے مکاں
سُبحان اللہ نور کی مجلس ہے

[بیاض قلمی]

۳۵۳

حیرت میں ہوں کیوں جہاں میں آیا پانی
دریا میں ہے کس لیے سمایا پانی
یہ ابر جو لاکھ بار برسے تو گیا
شبیر نے مرتے دم نہ پایا پانی

[میر انیس: ۸۸؛ رن: ۹۰]

۳۵۴

خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے

راحت کی طلب، نہ چین کی خواہش ہے

ہمدم بیگانگی، مکاں گوشۂ قبر

بستر یہی خاک، ترک سر بالش ہے

(رباعیات: ۲۴۷)

۳۵۵

خاموشی[1] میں یاں لذّتِ گویائی ہے

آنکھیں جو ہیں[2] بند عین بینائی ہے

نے[3] دوست کا جھگڑا[4] نہ کسی دشمن کا

مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے[5]

[۱ خامشی (نب ۲: ۸۴) غلط ۲ ہوئیں (رباعیات: ۱۸۴) جو ہیں (حیات: ۱۳۰؛ رم: ۵۵) ۳ نہ (نب) نا در رباعیات) ۴ نہ دشمن کا فساد (حیات؛ نب؛ کاشف ۲: ۲۸۹ رم؛ طا: ۳۳۵) ۵ یہ پوری رباعی تھوڑے سے اختلاف سے میر مونس کے مطبوعہ مراثی کی جلد میں شامل ہے۔]

۳۵۶

خلّاقِ جہاں ہے ربِّ اکبر تو ہے
ستّار ہے، رزّاق ہے، داور تو ہے
حیران ہوں کیا کروں صفت میں تیری
جو حمد و ثنا ہے اُس سے برتر تو ہے

[رباعیات: ۸۶]

۳۵۷

خلق و تعظیم دولتِ دینی ہے
ہر عیب کا عیب، عیب خود بینی ہے
ہوتی ہے گُنہ گار کی توبہ بھی قبول
خالق کو پسندِ عجز و مسکینی ہے

(رباعیات: ۲۱۳)

۳۵۸

درد و الم ممات کیوں کر گزرے
یہ چند نفس[1] حیات کیوں کر گزرے
مرنے[2] کا تو دن گزر گیا، شکر[3] انیس
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

[1 دم (نل ۳: ۱۵۲؛ نب ۳: ۲۶۳ و ۳۰۸) نفس (رم: ۳۳۱؛ رباعیات: ۱۸۳؛ واقعات: ۱۲۹)
2 پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ انیس (واقعات) متن مطابق مآخذ دیگر 3 شکر انیس (رباعیات) شکر خدا (ر

۳۵۹

دریا تری رحمت کا اگر سر کھینچے
جنّت کبھی مجھ کو، کبھی کوثر کھینچے
دھو ڈالیں لکھے کو کاتبانِ اعمال
گر تو قلمِ عفوِ خطا پر کھینچے

[رباعیات: ۸۰]

۳۶۰

دل بُت سے اُٹھا کے حق پرستی کیجے
بے تیغ انیسؔ قطعِ ہستی کیجے
آخر اِک دن یہ پاؤں ہوں گے بیکار
بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کیجے

[رباعیات: ۱۹۳، حیات: ۱۳۵؛ رم: ۱۹]

۳۶۱

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھُلا
یاں اور گرہ سے اِکؔ برس جاتا ہے

[ٹ اک (رباعیات: ۱۶۹) صحیح؛ ایک (رم: ۱۰۸) غلط]

۳۶۲

دل کو مِرے شغل غمگساری کا ہے
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سَرکشی کا غرّہ
ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے

[رباعیات: ۲۱۱؛ حیات: ۱۳۵؛ رم: ۸۴؛ کاشف ۲: ۲۹۳]

۳۶۳

دل ماتمِ شبّیرؑ میں صد پارہ ہے
نہ ضبطِ فغاں، نہ صبر کا یارہ ہے
ہر مرتبہ جوشِ زن ہے دریا غم کا
ہر موئے مژہ چشم کا فوّارہ ہے

[رباعیات: ۱۴۱]

۳۶۴

دل میں غمِ یارانِ وطن لے کے چلے
اِس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے
نقصاں کے سوا کچھ نہ ہُوا حاصِل، آہ
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

(رباعیات: ۱۸۹)

۳۶۵

دل میں ہو تیرا درد تو درماں کیا ہے
تو پیشِ نظر ہو تو گلستاں کیا ہے
گر راہِ نجف میں لاکھ دریا ہیں تو ہوں
گر عشقِ حرم ہو تو بیاباں کیا ہے

(رباعیات: ۲۴۴)

۳۶۶

دُنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے
پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
مابینِ زمین و آسمان یوں ہم ہیں
جیسے دو آسیا میں اِک دانہ ہے

[رم: ۱۰۹؛ رباعیات: ۱۹۲]

۳۶۷

دُنیا دریا ہے اور ہَوس طوفاں ہے
مانندِ حباب ہستیِ انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس بادِ مُراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

[حیات: ۱۲۹؛ رم: ۲۵۳؛ رباعیات: ۲۰۸]

۳۶۸

دنیا سے کوئی دم میں سفر تیرا ہے
نے مال نہ فرزند نہ زر تیرا ہے
آغاز عمارت کی عبث ہے تجھے فکر
انجام کو دیکھ، قبر گھر تیرا ہے

[میر انیس: ۸۵؛ رن: ۱۷]

۳۶۹

دُنیا میں ہیں یہ[1] علیؑ کے پیارے ایسے
رضواں ہے فدا، گُل ہیں یہ سارے ایسے
کہتا ہے مہِ عزا کہ افلاک نے بھی
دیکھے نہیں گنجان سِتارے ایسے[2]

[1] یہ: ندارد (نب ۱: ۲۸۸؛ رباعیات: ۱۲۷) [2] تھوڑے اختلاف کے ساتھ اسی موضوع پر انیس کی ایک اور رباعی بھی ملتی ہے۔ دیکھیے ع گل چیں تو بھلا چمن سنوارے ایسے (رباعی ۲۵۶)

۳۷۰

دو دن کی حیات پر عبث غرّہ ہے
خورشید نہ بن، خاک کا تو ذرّہ ہے
مردُم[1] کے نہالِ زندگانی کے لیے
یہ آمد و شد دم[2] کی نہیں ارّہ ہے

[1 ہر وقت ذنل ۴: ۶۴؛ حیات: ۴۱۳۴؛ رم: ۷۹) مردم کے در رباعیات: ۱۸۱) 2 نفس کی بھی ذنل ۴: ۶۴؛ رم: ۹؛ حیات ۴۱۳۴) بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ 'شد دم' میں تنافر ہے جس سے انیسؔ عموماً پرہیز کرتے تھے۔]

۳۷۱

دولت کی ہَوس ہے نہ طمع مال کی ہے
خواہش منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے
ہے ذات تِری جوّاد و غفّار و غنی
اُمّید تجھی سے تیرے افضال کی ہے

[رباعیات: ۸۳]

۳۷۲

دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زر دے
جو باعثِ آبرو ہے وہ گوہر دے
شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل
یارب! مجھے نانِ خشک و چشمِ تر دے

[رباعیات: ۲۰۹؛ رم: ۱۱۸]

۳۷۳

دھوپ آکے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
آہوں کے ہیں پنکھے آنسوؤں کا چھڑکاو
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

(ط ۲: ۲۷۰)

۳۷۴

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے
ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے
درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو
امدادِ امامِ قُل کفیٰ کافی ہے

(رباعیات: ۲۳۹)

۳۷۵

دیدار دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ
ایذا سے محبّوں کو بچاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختیِ مرگ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

[رباعیات: ۹۴]

۳۷۶

ڈھونڈوں تو نہ صورتِ بحالی نکلے
کیا ورطۂ غم سے طبعِ عالی نکلے
سو بار بھروں تو شور بخت ایسا ہوں
دریا سے مرا جام بھی خالی نکلے

(جگ ۵ : ۹۷۸، جگ ۶ : ۳۱)

۳۷۷

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے
کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے
یہ ہے غمِ شبیرؑ کی تاثیر انیسؔ
آوازِ قلق سوگ نشیں ہوتی ہے

(رباعیات : ۱۳۰)

۳۷۸

راحت کیا حاسدوں سے حاصِل ہوتی
لذّت دُنیا کی زہرِ قاتِل ہوتی
اِس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
دو چار گھڑی بھی[1] زیست مشکل ہوتی

[1 بھی زیست ذرباعیات: ۲۳۰) زیست بھی درم: ۱۳۰)]

۳۷۹

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری
کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری
اے کُنجِ لحد کے سونے والو! افسوس!
کِس سے پوچھیں کہ تم پہ[1] کیا کیا گزری

[1 تم پر کیا دُرباعیات: ۱۸۱) غلط؛ تم پہ کیا کیا درم ۸۷؛ حیات: ۱۳۶)]

۳۸۰

رُتبہ جسے[لہ] دُنیا میں خدا دیتا ہے

وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی

جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

[لہ دیتا ہے جسے (نل ۴ : ۴۶) غلط ۔ جسے دیتا ہے (حیات : ۱۳۴ ؛ ماخذ رباعیات: ۷۵).]

۳۸۱

روتے ہیں لہو ہر ایک ہمدم کے لیے

ہم خلق ہوئے ہیں غمِ عالم کے لیے

نازاں نہ ہو دل سوزیِ ظاہر پہ انیسؔ

جلتی نہیں شمع اہلِ ماتم کے لیے

(رباعیات: ۲۴۵)

۳۸۲

روشن جو ہر ایک داغ ہو جاتا ہے
سینہ جنّت کا باغ ہو جاتا ہے
دل اہلِ عزا کا غم سے جلتے جلتے
چہلم میں چہل چراغ ہو جاتا ہے

[رباعیات: ۱۴۴]

۳۸۳

رومال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے
یہ راتیں یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے
ہنسنے کے لیے تو سال بھر ہے یارو!
دس روز محرّم کے ہیں رونے کے لیے

[رباعیات: ۱۳۱]

۳۸۴

روئے گی جو غم میں شہ کے خو ہووے گی
واللہ کہ عاقبت نکو ہووے گی
اشکوں کا جو آب، رو پہ ہووے گا رواں
محشر میں اسی سے آبرو ہووے گی

[رباعیات: ۱۳۵]

۳۸۵

رونے میں یہ موسم جو بسر ہوتا ہے
ہر اشکِ عزا دار گُہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی مجلسیں ہیں آخر، رولو!
اب ماہ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

(رباعیات: ۱۶۲)

۳۸۶

رہتے ہیں سدا ہوش بجا بینا کے
روشن ہوں نہ کیوں قلب سوا بینا کے
نااہل کے سامنے ہے یوں نیکی و پند
جس طرح چراغ آگے نابینا کے

(رباعیات: ۲۰۳)

۳۸۷

زر کے لیے حق نے کیمیا پیدا کی
جو درد دیا اُس کی دوا پیدا کی
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج
اُس کے لیے یہ خاکِ شفا پیدا کی

[رباعیات: ۱۱۸]

۳۸۸

زیبا ہے وقارِ بادشاہی کے لیے
جرأت واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زباں
تلوار ضرور ہے سپاہی کے لیے

[رباعیات: ۲۱۸؛ ط ۳: ۱۲۱؛ حیات: ۱۲۹؛ رم: ۵۸؛ کاشف ۲: ۲۸۸]

۳۸۹

زینبؓ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے
بے رحم کوئی شمر سا کم ہوتا ہے
یا شاہِ نجف آؤ مدد کی خاطر
سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

[رباعیات: ۱۵۷]

۳۹۰

سب سے اوّل ہے سب سے سابق ہے وہی[1]
حمد و صفت و ثنا کے لائق ہے وہی
درویش نہ محروم، نہ منعم بے فیض
پشّے کا بھی، عنقا کا بھی رازق ہے وہی

[1 کاربک ۵: ۱۶۲) سے (رباعیات: ۸۳)]

۳۹۱

سجّادؑ کے چہرے سے تغیری نہ گئی
تھے کُل کے امیر، پر فقیری نہ گئی
زنجیرِ قدم ضعف رہا برسوں تک
آزاد ہوئے پھر بھی اسیری نہ گئی

(رباعیات: ۱۶۷)

۳۹۲

سرگرم رہے نہ، سرد آہیں ہیں یہی
سویا کیے، حسرت کی نگاہیں ہیں یہی
ہر جسم میں ہیں جو تین سو ساٹھ رگیں
گویا تری معرفت کی راہیں ہیں یہی

[رباعیات: ۸۷]

۳۹۳

سُنیے فریاد یا حسینؑ ابنِ علیؑ
دیجے مری داد یا حسینؑ ابنِ علیؑ
عالم غدّار[1] اور میں نحیف و زار
امداد امداد یا حسینؑ ابنِ علیؑ

[رباعیات: ۲۴۳] [1] غالباً انقلاب سلطنتِ اودھ کی طرف اشارہ ہے]

۳۹۴

سوزِ غمِ دُوری نے جَلا رکھا ہے
آہوں نے کنول[۱] دل کا بُجھا رکھا ہے
نِکلو کہیں جلد، عُمر آخر ہے انیسؔ
اِس ہندِ سیہ[۲] بخت میں کیا رکھا ہے

[۱ کنول دل (نب ۲: ۱۴) غلط؛ کنول دل کا (رم: ۱۱۶؛ رباعیات: ۱/
۲ ۱۸۵۷ء کے بعد کی سینہ سختی کا احساس تھا۔]

۳۹۵

سوزِ غمِ سرور سے جِگر جلتا ہے
دن بھر جلتا ہے رات بھر جلتا ہے
سینہ مرا شہ کا تعزیہ خانہ ہے
دل جلتا ہے یوں جیسے اگر جلتا ہے

(رباعیات: ۱۴۵)

۳۹۶

سینے میں یہ دم شمع سحر گاہی ہے
جو ہے اِس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیسؔ
اے عُمرِ دراز! تیری کوتاہی ہے

[رباعیات: ۱۷۵؛ رم: ۵۷]

۳۹۷

شایاں تھے انھیں کی شانِ برتر کے لیے
اعجاز یہ دو، دونوں برادر کے لیے
شقّ القمر و رجعتِ خورشیدِ مُبیں
احمدؐ کے لیے وہ، اور یہ حیدرؑ کے لیے

(رباعیات: ۸۸)

۳۹۸

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے
یہ عجز، یہ اِنکسار بھایا ہے تجھے
جب تک مَیں، تھا تو بُعد تھا برسوں کا
جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

[رباعیات: ۸۵]

۳۹۹

شبیرؑ کا حشر تک ہے ماتم باقی
اور زیست کا عرصہ ہے بہت کم باقی
جی بھر کے حسینؑ ابنِ علیؑ کو رولو
اب نصف ہے عشرۂ محرّم باقی

(رباعیات: ۱۳۸)

۴۰۰

شبیرؑ کے غم میں دل کو بے تابی ہے
شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے
دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں
ہر مردُمِ چشم مردُم آبی ہے

[رباعیات: ۲۴۰]

۴۰۱

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدحِ امامِ نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا
آقا! یہ شرف تری غُلامی کا ہے

[رباعیات: ۱۰۹]

۴۰۲

صالح بھی تِرا ہے زِشت بھی تیرا ہے
کعبہ بھی تِرا کنِشت بھی تیرا ہے
حاضر ہے گنُہگار جدھر بھیج دے تو
دوزخ بھی تِرا، بہشت بھی تیرا ہے

[رباعیات: ۸۱؛ رم: ۱۷]

۴۰۳

طِفلی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حبابِ آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھُلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

[رباعیات: ۲۹۷؛ رم: ۱۲]

۴۰۴

طِفلی لہ بہ نشاط و شادمانی کٹ جائے
یا عیش میں موسمِ جوانی کٹ جائے
سب کچھ یہ عبث ہے اے محبّانِ حسینؑ
روتے روتے ہی زندگانی کٹ جائے

[لہ یہ (رباعیات : ۲۴۶) غلط؛ بہ مطابق مخطوطہ محمود آباد]

۴۰۵

طے منزلِ وحشت و محن ہونی ہے
فُرقت، بینِ رُوح و تن ہونی ہے
کیوں نامِ کفن سُن کے لرزتا ہے انیسؔ
اِک دن یہ قبا زیبِ بدن ہونی ہے

[رباعیات : ۱۶۸؛ رم: ۱۴۲]

۴۰۶

ظلمت کدۂ ہند میں کیا مِلتا ہے
نہ دوست کوئی نہ آشنا مِلتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیسؔ
دُر ایک طرف نُورِ خدا مِلتا ہے

[رباعیات: ۱۱۴]

۴۰۷

عابدؑ تھے مُدام صبح ہوتے روتے
جب جاگتے روتے، جبکہ سوتے روتے
چالیس برس پدر کو روئے یاں تک
رُخسارے بھی گھُل گئے تھے روتے روتے

(رباعیات: ۱۶۶)

۴۰۸

عابدؔ کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے
یہ لاشِ امامِ[1] وطن آوارہ ہے
گر جمع کریں انھیں تو قرآں ہو جائے
ہر عضوِ تنِ حسینؑ سی پارہ ہے

[1 غریب الوطن (نل ۳: ۲۰۶) غلط؛ امامِ وطن آوارہ (رباعیات ۱۶۲)]

۴۰۹

عاجز نہ کسی بشر کو اصلا سمجھے
نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے
ہے اوجِ کمال و نیک نفسی کی دلیل
ادنیٰ بھی ہو گر تو اس کو اعلا سمجھے

[رباعیات: ۲۲۰]

۴۱۰

عبّاس سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبر سا گلبدن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر، مگر لب نہ ہلے
اصغر سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

[رباعیات: ۱۰۷، ط ۲: ۱۶۱]

۴۱۱

عرفاں تصدیقِ محبّتِ حیدرؑ ہے
ایماں نُورِ محبّتِ حیدرؑ ہے
دوزخ ہے عداوتِ علیؑ کا بدلہ
فردوس بہائے[1] اُلفتِ حیدرؑ ہے

[1 بہار (ط ۳: ۱۸۴) بہائے در رباعیات: ۹۷]

۴۱۲

عزت رہے یار و آشنا کے آگے

محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے

گر[1] پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں

یہ ہاتھ جب[2] اُٹھیں تو خدا کے آگے

[1 یہ درم: ۳۰؛ حیات: ۱۳۱) گر در رباعیات: ۲۱۶) 2 جب اٹھیں جب درم: ۳۰) جب اٹھیں حیات: ۱۳۱ اور رباعیات]

۴۱۳

عصیاں سے بھرا ہُوا جو سب دفتر ہے

تھرّاتا ہے کیوں انیسؔ، پھر کیا ڈر ہے

کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط

شبّیرؑ سا دستگیر یاں رہبر ہے

[رباعیات: ۱۰۵]

۴۱۴

قطعہ

غافل تجھے کیوں خواہشِ دُنیاے دنی ہے
پیوندِ زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
سوتے ہیں تہِ خاک گلے میں کفنی ہے

[رم: ۶۱؛ حیات: ۱۳۱]

۴۱۵

غم ہے ہمیں لیکن انھیں خوشحالی ہے
پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے
اُس عشرے میں تھے شریکِ مجلس جو لوگ
اِس سال انھیں کی بس جگہ خالی ہے

[رباعیات: ۱۲۸]

۴۱۶

فردوس سے روحِ مصطفیٰ آتی ہے
پھولوں میں بسی بوئے صبا آتی ہے
گھبرائیں نہ گرمی سے عزادارِ حسین
یاں گلشنِ جنت سے ہوا آتی ہے

[بس]

۴۱۷

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
حقا کہ پلک[1] نواز ہے ذات تیری
جنّت انھیں اشکوں کے بہانے سے ملی

[رباعیات: ۴۳۱۔ [1] ہندی اور فارسی کا مرکب اُردو میں رائج و فصیح۔ پلک مارتے نوازش کرنے والا]

۴۱۸

فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے
مومن پہ مگر رحمتِ رب ہوتی ہے
آگاہ گناہوں سے نہ ہو ایک کے ، ایک
فرداً فرداً جبھی طلب ہوتی ہے

[رباعیات: ۱

۴۱۹

قانع ہو جو کچھ ہمتِ مردانہ ہے
کیوں صحبتِ اہلِ زر کا پروانہ ہے
حقّا کہ شمارِ نعمتِ حق کے لیے
جو دانہ ہے تسبیح کا اِک دانہ ہے

[رباعیات: ۸۲

۴۲۰

قطرے ہیں یہ سب جس کے ، وہ دریا ہے علیؑ
پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علیؑ
ہوتا ہے گماں خدا کا جِس پر ہر بار
اللہ اللہ ایسا بندا ہے علیؑ

[رباعیات: ۹۹؛ رم: ۴۰۱]

۴۲۱

کانوں میں سدا حرفِ پریشانی ہے
دیکھا جدھر آنکھ اُٹھا کے ویرانی ہے
مشہور علاجِ دردِ سر ہے صندل
یاں خاکِ لحد صندلِ پیشانی ہے

[رباعیات: ۱۸۹؛ حیات: ۱۳۰؛ رم: ۶۴]

۴۲۲

کب دُزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دُزدانِ مضامیں سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

[رباعیات: ۲۰۳؛ حیات: ۱۳۴]

۴۲۳

کب غنچے کی گلجھڑی صبا نے کھولی
مشکل جو پڑی عقدہ کشا نے کھولی
اُمیدِ کشودِ کار اسفل سے نہ رکھ
کِس روز گرہ ناخنِ پا نے کھولی

(رباعیات: ۲۰۳)

۴۲۴

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رئ(۱) ترے سخن کی تاثیر انیسؔ
رو دیتے ہیں مثلِ شمع، جلنے والے

[۱۔ اللہ ترے (حیات: ۱۲۹) اللہ رنی (رباعیات: ۲۲۹)]

۴۲۵

کچھ پند و نصیحت نے بھی تاثیر نہ کی
دُنیا کے کسی کام میں تاخیر نہ کی
دن رات یہیں کے ساز و ساماں میں رہے
جانا ہے کہاں کچھ اس کی تدبیر نہ کی

(رباعیات: ۱۷۶)

۴۲۶

کر عجز اگر عاقل و فرزانہ ہے
دانائی پہ بھولا ہے تو دیوانہ ہے
تسبیح کے دانوں پہ نظر کر ناداں
گردش میں سدا رہتا ہے جو دانہ ہے

(رباعیات: ۱۹۳)

۴۲۷

کِس شہر میں دُرِّ مُدّعا مِلتا ہے
سُنتے ہیں نجف میں بارہا مِلتا ہے
سرکارِ علیؑ وہ ہے کہ ہر بندے کو
دولت کیا مال ہے خدا مِلتا ہے

(رباعیات : ۱۱۲)

۴۲۸

کِس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
پتّھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے
اس دَم جو شریکِ درد ہووے میرا
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

[آسمانی رنل ۳ : ۲۱۴ ؛ زعفرانی در رباعیات : ۲۰

۴۲۹

کِس غم میں یہ لذّت ہے جو اس غم میں ہے
سینے کو سرورشہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک
رونے کا مزا ماہِ محرّم میں ہے

[رباعیات:۱۳۵]

۴۳۰

کِس کام آئے گی تیز ہوشی تیری
ہے سرد وِلا میں گرم جوشی تیری
مجلس میں کیے جو اشک حضرت سے عزیز
ہے عین خطا یہ چشم پوشی تیری

[رباعیات:۱۳۷]

۴۳۱

کل دل کو نہیں ہے آج کل، جائیں گے
اب ہند سے گھبرا[1] کے نکل جائیں گے
ہاتھ آئے تو جادۂ صراطِ ایماں
گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

[1] کی ظلمت سے (نل ۴ : ۲۵۸؛ رباعیات : ۱۱۶ سے گھبرا کے (رم:

۴۳۲

کم زور ایسا کسی کو پیری نہ کرے
بُلبُل کا بھی یہ حال اسیری نہ کرے
رہ جاؤں زمیں پہ صورتِ نقشِ قدم
گر میری عصا بھی دستگیری نہ کرے

(رباعیات: ۲۳۶)

٤٦٥

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علیؑ
حقا کہ رسولِ حق کا نائب ہے علیؑ
اللہ اللہ صورتِ ذاتِ خدا
ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علیؑ

[رباعیات: ٩٩]

٤٦٦

لالے سے عیاں بہارِ سر جوشی ہے
نرگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے
کیسی یہ گومگو ہے اے ربِّ کلیم
بلبل نالاں ہے گُل کو خاموشی ہے

(رباعیات: ١٩١؛ شاعر اعظم: ٢٠٧

۴۶۷

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری

مُجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری

دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی

عصیاں مرے[1] افزوں ہیں کہ رحمت تیری

[[1] ہیں مرے فزوں (رم: ۳۲) مرے فزوں ہیں (رباعیات: ۷۹)]

۴۶۸

لفظوں میں نمک سخن میں شیرینی ہے

دعوائے ہُنر، نہ عیب خود بینی ہے

مدّاحِ گلِ گلشن زہرا ہم ہیں[1]

غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے[2]

[[1] ہوں میں (ذیل ہم: ۷۰) ہم ہیں (رباعیات: ۲۲۷) [2] مونس کی رباعی ہے ع باتوں میں نمک، نمک میں شیرینی ہے۔ پھر خود انیس کی متحد المضمون رباعی ہے ع نے مداح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے۔]

۴۶۹

مارے گیے جو، وہ سب لعیں دفن ہوئے

زہراؑ کے نہ ہائے نازنیں دفن ہوئے

عاشورِ محرّم کو ہوئے قتل حسینؑ

پر قبر میں بعدِ اربعیں دفن ہوئے

[رباعیات: ۱۱۶]

۴۷۰

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے

ممکن ہے نگیں، طبل، علمؑ ملتا ہے

عنقا گوگرد، سرخ، پارس، اکسیر

یہ سب ملتے ہیں، دوست کم ملتا ہے

[لہ طبل وعلم (رباعیات: ۱۹۹) طبل علم (ذنل ۲: ۲۰۴)]

۴۷۱

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنّت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم تیرا ہے ، یہ عدالت تیری

[حیات: ۱۳۱؛ رباعیات: ۷۹]

۴۷۲

ماں کہتی تھی راحت نہ تجھے[۱] آہ ملی
تصویر تری خاک میں اے ماہ ملی
امّاں صدقے ہو تو برس دن نہ جیا
اصغر تجھے عمر ایسی کوتاہ ملی

[۱ مجھیں ذیل ۴: ۲۶) و (رباعیات: ۱۵۵) لیکن اس طرح شتر گربہ پیدا ہو جاتا ہے ۲ اصل میں
دن نہ جیے' اور پھر "اصغر تمھیں" لیکن وہی عیب ہو جاتا۔]

۴۷۳

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے
عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
خوشبو یہ عرَق میں ہے عزاداروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

[رباعیات۔۱۳۰]

۴۷۴

مجلس میں عجب بہارِ چشمِ تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گُلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

[رباعیات: ۱۴۲؛ حیات: ۱۳۸]

۴۷۵

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے
فردوس صلہ رونے رُلانے کا ہے
خورشید نقابِ رُخ اُٹھائے کیونکر
ہاں وقت یہ فاطمہؓ کے آنے کا ہے

[رباعیات:۱۲۱]

۴۷۶

مجموعۂ خاطر ان دنوں ابتر ہے
جو رگ ہے بدن پہ رشتۂ مسطر ہے
معنیٰ سے بھرا ہوا ہے دل شکلِ کتاب[1]
کیا غم ہے جو تن مثلِ قلم لاغر ہے

[1 کباب (نل ۳ : ۱۸۸) غلط؛ کتاب دحیات: ۱۳۲؛ رباعیات: ۲۰۱

۴۷۷

محبوبِ خدا کا جانشیں حیدرؑ ہے
قندیل سرِعرش بریں حیدرؑ ہے
رکھے کعبہ میں پا سر دوشِ نبیؐ
لو! مُہرِ نبوّت کا نگیں حیدرؑ ہے

[رباعیات: ۹۱]

۴۷۸

محفل محبوبِ حق کے پیاروں کی ہے
مجلس آقا کے سوگواروں کی ہے
چودہ[1] معصوم کا ہے سایہ اس جا
شیعوں کے سروں پہ چھاؤں تاروں کی ہے

[1 اصل میں "پردہ" غلط ہے رباعیات: ۲۴۶؛ قیاساً تصحیح کی گئی ہے]

۴۷۹

مختارِ زمین و آسماں حیدرؑ ہے

گویا کہ محمدؐ کی زباں حیدرؑ ہے

جب نام لیا تقویتِ رُوح ہوئی

بے جاں ہے مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

[رباعیات: ۹۴]

۴۸۰

مرجائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے

بس[۱] صبر علاجِ دلِ صد پارہ ہے

اصغر کو لِٹا کے قبر میں بولے[۲] یہ حسینؑ

آرام کرو اب یہی گہوارہ ہے

[۱؎ جُز (قلمی مرثیہ) اُس صورت میں استفہامی علامت لگنی ہے۔

۲؎ شہ نے کہا (رباعیات: ۱۵۵) بولے یہ حسین (ذنل ۴: ۳۱۵]

۴۸۱

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے
کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے
چالیسویں تک پڑے رہے مقتل میں
وہ پھول سوم کو بھی اُٹھائے نہ گئے

(رباعیات: ۱۶۰)

۴۸۲

مرمر کے مسافر نے بنایا ہے تجھے
رُخ سب سے پھرا کے مُنھ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر!
میں نے بھی تو[1] جان دے[2] کے پایا ہے تجھے

---

[1] کھو (حیات: ۱۲۹) [2] دے (رم: ۵۶؛ کاشف ۲: ۲۸۸؛ رباعیات: ۱۸۳) [رد: ۹۳) میں دبیر کی متحد المضمون رباعی دیکھیے]

۴۸۳

مضموں گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے
آئینہ سا[۱] روشن ہے کلام[۲] اپنا انیسؔ
ہم اُس کو نظر آئیں گے[۳] جو بینا ہے

[۱ سے (نل ۴: ۷۰؛ رباعیات: ۱۳۵) ۲ کمال (نل؛ حیات) ۳ کہ (نل) گے (حیا

۴۸۴

مطلب بھی علیؑ ہے، مدّعا بھی ہے علیؑ
ہادی بھی علیؑ ہے، رہنما بھی ہے علیؑ
شیعوں کو ہو کیا بادِ مخالف کا خطر
کشتی بھی علیؑ ہے، ناخدا بھی ہے علیؑ

[رباعیات: ۹۳]

۴۸۵

مظلوم پہ بزمِ مومنیں روتی ہے
ہے کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے
مرتا ہے جو کوئی رونے والا شہ کا
اُس پر چالیس دن زمیں روتی ہے

[رباعیات: ۱۳۴]

۴۸۶

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
بذلِ کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا | دریا مگر ہے رحمت تیری

[نسخہ خلق دحیات : ۱۳۱؛ رم: ۱۳۰) بذل در رباعیات: ۱۷۹]

۴۸۷

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھُلا جواہر نکلے
گویا کہ[1] زباں کلیدِ گنجینہ ہے

[نل ۳ : ۲۱۴ ، ط ۳ : ۲۷۰؛ رم: ۱۵۴) [1] یہ (رباعیات (۲۲۱]

۴۸۸

مُنہ چاہیے وصفِ رُخِ اکبر کے لیے
تھا حُسن اسی سروِ سمن بر کے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گُل چاہیے مسطر کے لیے

(رباعیات : ۱۰۷)

۴۸۹

مولا کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے
کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے
اللہ رے مراتبِ علیؑ اعلیٰ
بندہ کوئی، کوئی خدا کہتا ہے (رباعیات: ۹۹)

۴۹۰

قطعہ

مومنو یہ مقام زاری ہے
رو و اب وقت اشکباری ہے
فاطمہ آچکی ہیں مجلس میں
اب کہو کس کی انتظاری ہے [بک ۵: ۷۰]

۴۹۱

ہجور ہوں جنّت کے چمن والوں سے
مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے
یارب وہ مکاں جلد دکھا دے مجھ کو
جھاڑا ہے جسے فاطمہؓ نے بالوں سے [رباعیات: ۱۱۵]

۴۹۲

میداں میں جو حضرت پہ ستم ہوتے تھے
زہراؑ و علیؑ اشکوں سے مُنھ دھوتے تھے
بھائی کے لیے ہوتے تھے شبّرؑ[۱] بیتاب
سر پیٹ کے محبوبِ خدا[ص] روتے تھے

[۱ ’شبیر‘ در رباعیات: ۱۵۶) غلط]

۴۹۳

ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے
بے قدر، فلک جناب ہو جاتا ہے
گر اک نظرِ مہر سے دیکھیں حیدرؑ
ذرّہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے

[رباعیات: ۹۶؛ کاشف ۲: ۲۹۰]

۴۹۴

نے آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی
آواز علیؑ علیؑ کی ہاں نکلے گی
جس طرح نگہ چشم سے باہر ہو انیسؔ
یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

(نل ۴: ۳۳۰)

۴۹۵

نےؑ مدح کا دعوی ہے نہ خود بینی ہے
باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے
شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو
ہے طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

[الہ نہ رباعیات: ۲۲۸؛ رم: ۸۱؛ حیات: ۱۳۴) ۲؎ دیکھیے مونس اور موازنہ انیس کی ہم طرح رباعیاں]

۴۹۶

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
فرماتے ہیں، میں تن ہوں علیؑ سر ہے میرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

[رباعیات:۹۰]

۴۹۷

وہ صبر مرا، وہ بُردباری تیری
بھولے گی نہ مجھ کو مرکے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی نبا ہے اے فقر
جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

[رباعیات: ۲۱۰؛ رم: ۱۱۷]

۴۶۵

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علیؑ
حقّا کہ رسولِؐ حق کا نائب ہے علیؑ
اللہ اللہ صورتِ ذاتِ خدا
ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علیؑ

[رباعیات: ۹۹]

۴۶۶

لالے سے عیاں بہارِ سر جوشی ہے
نرگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے
کیسی یہ گو مگو ہے اے ربِّ کلیم
بُلبُل نالاں ہے گُل کو خاموشی ہے

[رباعیات: ۱۹۱؛ شاعرِ اعظم: ۲۰۷]

۴۶۷

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری
مُجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری
دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی
عصیاں مرے[1] افزوں ہیں کہ رحمت تیری

[[1] ہیں مرے فزوں (رم: ۳۲) مرے فزوں ہیں (رباعیات: ۹/۷)]

۴۶۸

لفظوں میں نمک سخن میں شیرینی ہے
دعوائے ہنر، نہ عیب خود بینی ہے
مدّاحِ گلِ گلشنِ زہرا ہم ہیں[1]
غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے[2]

[[1] ہوں میں (ذیل ہ: ۷۰) ہم ہیں (رباعیات: ۲۲۷) [2] مونس کی رباعی ہے ع باتوں میں نمک نمک میں شیرینی ہے۔ پھر خود انیس کی متحد المضمون رباعی ہے ع نے مداح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے۔]

۴۶۹

مارے گیے جو، وہ سب لعیں دفن ہوئے
زہراؓ کے نہ ہائے نازنیں دفن ہوئے
عاشورِ محرّم کو ہوئے قتل حسینؑ
پر قبر میں بعدِ اربعیں دفن ہوئے

[رباعیات:۱۱۶]

۴۷۰

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں، طبل، عَلَم ملتا ہے
عنقا گو گرد، سرخ، پارس، اکسیر
یہ سب ملتے ہیں، دوست کم ملتا ہے

[لہ طبل و علم (رباعیات: ۱۹۹) طبل علم (نل ۲: ۲۰۴)]

۴۷۱

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنّت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم تیرا ہے، یہ عدالت تیری

[حیات: ۱۳۱؛ رباعیات: ۷۹]

۴۷۲

ماں کہتی تھی راحت نہ تجھے[۱] آہ ملی
تصویر تری خاک میں اے ماہ ملی
امّاں صدقے ہو تو[۲] برس دن نہ جیا
اصغر تجھے عمر ایسی کوتاہ ملی

[۱ تمھیں (ذیل ۴: ۲۶) و (رباعیات: ۱۵۵) لیکن اس طرح شترگربہ پیدا ہوجاتا ہے ۲ اصل میں "تم برس دن نہ جیے" اور پھر "اصغر تمھیں" لیکن وہی عیب ہوجاتا۔]

۴۷۳

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے
عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

[رباعیات ۱۳۰]

۴۷۴

مجلس میں عجب بہارِ چشمِ تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گُلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

[رباعیات: ۱۴۲؛ حیات: ۱۳۸]

۴۷۵

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے

فردوس صلہ رونے رُلانے کا ہے

خورشید نقابِ رُخ اُٹھائے کیونکر

ہاں وقت یہ فاطمہؓ کے آنے کا ہے

[رباعیات: ۱۲۱]

۴۷۶

مجموعۂ خاطر ان دنوں ابتر ہے

جو رگ ہے بدن پہ رشتۂ مسطر ہے

معنیٰ سے بھرا ہوا ہے دل شکلِ کتابؔ[1]

کیا غم ہے جو تن مثلِ قلم لاغر ہے

[1 کباب (نل ۳: ۱۸۸) غلط؛ کتاب (حیات: ۱۳۲؛ رباعیات: ۲۰۱]

۴۷۷

محبوبِ خدا کا جانشیں حیدرؑ ہے
قندیلِ سرِ عرش بریں حیدرؑ ہے
رکھے کعبہ میں پا سر دوشِ نبیؐ
لو! مُہرِ نبوّت کا نگیں حیدرؑ ہے

[رباعیات: ۹۱]

۴۷۸

محفل محبوبِ حق کے پیاروں کی ہے
مجلس آقا کے سوگواروں کی ہے
چودہ[1] معصوم کا ہے سایہ اس جا
شیعوں کے سروں پہ چھاؤں تاروں کی ہے

[1 اصل میں "پردہ" غلط ہے رباعیات: ۲۴۶؛ قیاساً تصحیح کی گئی ہے]

۴۷۹

مختار زمین و آسماں حیدرؑ ہے
گویا کہ محمدؐ کی زباں حیدرؑ ہے
جب نام لیا تقویتِ رُوح ہوئی
بے جاں ہے مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

[رباعیات: ۹۴]

۴۸۰

مرجائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے
بس[1] صبر علاجِ دلِ صد پارہ ہے
اصغر کو لِٹا کے قبر میں بولے[2] یہ حسینؑ
آرام کرو اب یہی گہوارہ ہے

[1] جُز (قلمی مرثیہ) اُس صورت میں استفہامی علامت لگتی ہے۔
[2] شہ نے کہا (رباعیات: ۱۵۵) بولے یہ حسین (ن‌ل ۴: ۳۱۵)]

۴۸۱

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے
کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے
چالیسویں تک پڑے رہے مقتل میں
وہ پھول سوم کو بھی اُٹھائے نہ گئے

(رباعیات: ۱۶۰)

۴۸۲

مرمر کے مسافر نے بنایا ہے تجھے
رُخ سب سے پھرا کے مُنھ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر!
میں نے بھی تو[1] جان دے[2] کے پایا ہے تجھے

---

[1] کھو حیات: ۱۲۹) دے درم: ۵۶؛ کاشف ۲: ۲۸۸؛ رباعیات: ۱۸۳) [2] رد: ۹۳) میں دبیر کی متحد المضمون رباعی دیکھیے]

٤٨٣

مضموں گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے

ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے

آئینہ سا[1] روشن ہے کلام[2] اپنا انیسؔ

ہم اُس کو نظر آئیں گے[3] جو بینا ہے

[1 سے (نل ٤: ٧٠؛ رباعیات: ١٣٥) 2 کمال (نل؛ حیات) 3 کہ (نل) گے (حیات)]

٤٨٤

مطلب بھی علیؑ ہے، مدّعا بھی ہے علیؑ

ہادی بھی علیؑ ہے، رہنما بھی ہے علیؑ

شیعوں کو ہو کیا بادِ مخالف کا خطر

کشتی بھی علیؑ ہے، ناخدا بھی ہے علیؑ

[رباعیات: ٩٣]

٤٨٥

مظلوم پہ بزمِ مومنیں روتی ہے
ہے کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے
مرتا ہے جو کوئی رونے والا شہ کا
اُس پر چالیس دن زمیں روتی ہے

[رباعیات: ١٣٣]

٤٨٦

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
بندگی[1] کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

[[1] خلق (حیات: ١٣١؛ رم: ١٣٠) بدل در رباعیات: ١٧٩]

۴۸۷

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھُلا جواہر نکلے
گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے

[نل ۳ : ۲۱۴ ، ط ۳ : ۲۷۰؛ رم: ۱۵۴) سلہ یہ (رباعیات (۲۲۱]

۴۸۸

مُنھ چاہیے وصفِ رُخِ اکبر کے لیے
تھا حُسن اسی سروِ سمن بر کے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گُل چاہیے مسطر کے لیے

(رباعیات : ۱۰۷)

۴۸۹

مولا کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے
کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے
اللہ رے مراتبِ علیؑ اعلیٰ
بندہ کوئی، کوئی خدا کہتا ہے
(رباعیات: ۹۹)

۴۹۰

قطعہ

مومنو یہ مقام زاری ہے
رو و اب وقت اشکباری ہے
فاطمہ آچکی ہیں مجلس میں
اب کہو کس کی انتظاری ہے
[بک ۵: ۷۰]

۴۹۱

مجبور ہوں جنت کے چمن والوں سے
مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے
یارب وہ مکاں جلد دکھا دے مجھ کو
جھاڑا ہے جسے فاطمہؓ نے بالوں سے
[رباعیات: ۱۱۵]

۴۹۲

میداں میں جو حضرت پہ ستم ہوتے تھے
زہراؓ و علیؑ اشکوں سے مُنھ دھوتے تھے
بھائی کے لیے ہوتے تھے شبّرؑ[۱] بیتاب
سر پیٹ کے محبوبِ خداؐ روتے تھے

[۱۔ "شُبیر" در رباعیات: ۱۵۶) غلط]

۴۹۳

ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے
بے قدر، فلک جناب ہو جاتا ہے
گر اک نظرِ مہر سے دیکھیں حیدرؑ
ذرّہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے

[رباعیات: ۹۶؛ کاشف ۲: ۲۹۰]

۴۹۴

نے آہ دہن سے نہ فغاں نکلے گی

آواز علیؑ علیؑ کی ہاں نکلے گی

جس طرح نگہ چشم سے باہر ہو انیسؔ

یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

(نل ۴ : ۳۳۰)

۴۹۵

نے[2] مدح کا دعوی ہے نہ خود بینی ہے

باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے

شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو

ہے طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

[۱ لہ نہ رباعیات: ۲۲۸؛ رم: ۸۱؛ حیات: ۱۳۴) ۲ دیکھیے مونس اور موازنہ انیس کی ہم طرح رباعیاں]

۴۹۶

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
فرماتے ہیں، میں تن ہوں علیؑ سر ہے میرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

[رباعیات: ۹۰]

۴۹۷

وہ صبر مرا، وہ بُردباری تیری
بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری
اللہ یوں ہی سب کی نبھا ہے اے فقرؔ
جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

[رباعیات: ۲۱۰؛ رم: ۱۱۷]

۴۹۸

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے
عطرِ عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیمِ زلفِ ہمشکلِ رسولؐ
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

[۔ شاعر اعظم: ۲۸؛ رباعیات: ۲۴۴) مونس سے بھی منسوب ہے (رم)]

۴۹۹

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اِک نعرۂ آفرین و تحسیں ہو جائے
جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گُل چیں ہو جائے

(رباعیات: ۲۲۴)

۵۰۰

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
راحت سے کوئی، اور کوئی فریادی ہے
اِک عشرت و غم کا ہے مُرقّع دُنیا
ماتم ہے کسی جا، تو کہیں شادی ہے

[رباعیات ۱۸؛ رم: ۱۰۴]

۵۰۱

ہاں جوشِ غم سُرورِ[1] عالی ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں پیہم[2]
ہر موے مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

[1] سیّد (نب ۲ : ۳۷۶ ، نب ۳ : ۱۴۳) بسرور (رباعیات : ۱۴۰) [2] باہم (نب ۳ : ۳۴۱ ، نب ۲ : ۳۷۶ ، ط ۲ : ۱۲۶) بہم (رباعیات)]

۵۰۲

ہاں[1] دولتِ فقیرِ مصطفٰے دیویں گے
توقیر و شرف شیرِ خدا دیویں گے
ہوگا جو گوشہ گیر مثلِ ابرو
مردم آنکھوں میں[2] تجھ کو جا دیویں گے

[۱ یاں (نل ۴: ۲۶) ہاں در رباعیات: ۲۱۵) ۲ پہ در رباعیات: ۲۱۵)
میں (نل ۴: ۲۶)]

۵۰۳

ہر اشکِ عزادار، دُرِ یکتا ہے
قیمت فردوس و کوثر و طوبیٰ ہے
اللہ ہے مشتری، فروشندہ رسولؐ
کیا جنس ہے، کیا بہا ہے، کیا سودا ہے

[رباعیات: ۱۴۱]

۵۰۴

ہر آن تغیری[1] ہے زمانے کے لیے
انسان کا دل ہے داغ اُٹھانے کے لیے
بُوڑھا ہو کہ نوجواں، غنی ہو کہ فقیر
سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

[۱ تغیر: درم: ۱۱۱) تغیری در باعیات: ۱۷۱)]

۵۰۵

ہر اوج کو ایک روز پستی ہو گی
اپنی کِسی ویرانے میں بستی ہو گی
ہے کون جو مینھ اشکوں کا برسائے گا
حسرت مِری تُربت پہ برستی ہو گی

[رباعیات: ۲۳۱]

۵۰۶

ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے
پیری ہے پہ ذہن میں وہی تیزی ہے
گرتے جاتے نہیں یہ دندان انیسؔ
تا حال زباں کو شوقِ دُر ریزی ہے

(رباعیات: ۲۲۳)

۵۰۷

ہر برگ سے قدرتِ اَحد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

[رباعیات: ۸۵؛ حیات: ۱۳۰؛ رم: ۱۱؛ کاشف ۲: ۲۸۹]

۵۰۸

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے
مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے
فضلِ باری سے ہوں وہ آنسو جاری
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہو جائے

[رباعیات:۱۳۶]

۵۰۹

ہر چند زمیں پست فلک عالی ہے
پر اس میں نصیب کس کو خوش حالی ہے
ہے چرخِ کہن شیشۂ ساعت گویا
ہے خاک اِدھر اور اُدھر خالی ہے

[رباعیات:۱۸۹]

۵۱۰

ہر دم مجھے سامنا صعوبات کا ہے
اندیشہ و اضطراب دن رات کا ہے
تنہا ہیں، فلک کجی پہ، خلقت دشمن
ہاں گر ہے تو آسرا تری ذات کا ہے

(رباعیات: ۲۳۳)

۵۱۱

ہر شب غمِ شہ میں جان کھویا کیجے
ہر روز مُنھ آنسوؤں سے دھویا کیجے
بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیسؔ
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجے

[رباعیات: ۲۳۲]

۵۱۲

ہر صبح یہ[1] دوڑ کر کدھر جاتا ہے
کچھ گوہرِ عزّت کا بھی دھیان آتا ہے
جب[2] ضامنِ روزی ہے خداوند کریم
پھر کس لیے تُو رزق کا غم کھاتا ہے

[1] کو (رباعیات: ۲۱۰؛ رم: ۱۱۰) یہ (ذیل ۸۴) [2] گر (ذیل ۸۴: ۳۲۰؛ رم) جب (رباعیات)

۵۱۳

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جُو میں انیسؔ
اب مرگ پہ موقوف ہے صحّت میری

(رباعیات: ۲۳۸)

٥١٤

ہر نالۂ[1] دل جگر کو برما جائے

ایسا روؤ کہ ابر شرما جائے

سرما تو گیا سرد ہے کیوں بزمِ حسینؑ

ٹھنڈی آہیں کرو تو گرما جائے

[1] [ہر نالہ دل و جگر (رباعیات: ۱۲۹ حاشیہ قلمی) ہر نالۂ دل جگر (رباعیات: ۱۲۹، مطبوعہ)]

٥١٥

ہر وقت غمِ شاہِ زمن تازہ ہے

ہر فصل میں داغوں کا چمن تازہ ہے

شیعوں کے دلوں کے ساتھ[1] ہے دورِ عزا

جب دیکھیے یہ زخمِ کہن تازہ ہے

[1] ساتھ دورِ عزا (رباعیات: ۱۶۵) غلط؛ ساتھ ہے دورِ عزا (بک۶: ۱۰۲)]

۵۱۶

ہُشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگامِ یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاجِ عصا ہوے تو پیری نے کہا
چلیے اب چوب دارِ مرگ آیا ہے

[رباعیات: ۱۷۸؛ رم: ۶۲]

۵۱۷

ہم سے کوئی اہلِ کبر غرّا تو کرے
ہر عیب سے آپ کو مبرّا تو کرے
کیا فاختہ بخشے گی بھلا بُلبُل سے
صاف اپنا وہ پہلے روز مرّا تو کرے

(رباعیات: ۲۲۲)

۵۱۸

ہے اُس کی دوا جو مرضِ آدم ہے

جو زخم ہے اُس کے واسطے مرہم ہے

جُز اس کے نہیں کوئی گُناہوں کا علاج

رو نامِ حسینؑ لے کے جب تک دم ہے

(رباعیات : ۲۴۵)

۵۱۹

ہے سخت ملول طبعِ ناسازِ مری

نوحہ ہے صدائے نغمہ پردازِ مری

اللہ رے زور ناتوانی کا انیسؔ

آوازۂ مرگِ دل ہے آوازِ مری

(رباعیات : ۲۳۸)

۵۲۰

ہے فصلِ عزا، جُدا جُدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاء اللہ، چشمِ بد دُور! انیسؔ
کیا مجمعِ مومنیں ہے، کیا مجلس ہے

[رباعیات: ۱۲۳]

۵۲۱

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی
کچھ تُو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا
پہلے دھو لے ذرا سیاہی دل کی

[رباعیات: ۱۹۶؛ حیات: ۱۳۳؛ رم: ۷۶]

۵۲۲

ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے
بیگانہ و آشنا ہیں بارے سب سے
دریا سے ملے ہوے ہیں مثلِ ساحل
پھر دیکھیے گر تو ہیں کنارے سب سے

(رباعیات: ۲۲۷)

۵۲۳

ہیں معترفِ عجز ثنا خواں تیرے
افزوں ہیں مِرے شُکر سے احساں تیرے
میں کرتا ہوں جُرم، عفو کرتا ہے تُو
لائق مِرے وہ ہے، یہ ہے شایاں تیرے

[رباعیات: ۲۴۴]

۵۲۴

یارب ! کہیں جلد وہ زمانا ہووے
بندہ سُوئے کربلا روانا ہووے
لیکن یہ دُعا ہے، یا مجیب الدّعوات!
جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

[کاشف ۲: ۲۶۰؛ ط ۳ : ۱۴۲]

۵۲۵

یارب ! مِری میّت کو زمیں پاک مِلے
دلچسپ مکاں، قبر فرحناک مِلے
یوں خاکِ شفا میں مر کے مِل جاؤں انیسؔ
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک مِلے

(رباعیات: ۲۴۰)

۵۲۶

یارب! یہ اثر مری دعا میں مل جائے
اک قبر جوارِ شہدا میں مل جائے
صدقے میں ابوتراب کے یا غفّار
یہ خاک مری خاکِ شفا میں مل جائے

[رباعیات: ۱۱۷، بس]

۲۲۷

یا زیست میں یا بعدِ فنا پہنچیں گے
یاور ہیں اگر بخت تو جا پہنچیں گے
کیا دن ہوں گے نثار اس دن کے انیسؔ
جس روز قریبِ کربلا پہنچیں گے

[رباعیات: ۱۱۴]

۵۲۸

یاں آئے ملال و رنج سہنے کے لیے
دَم بھر نہ ہوئے امیر، کہنے کے لیے
محتاج کے محتاج اُسی طرح رہے
پائے تھے یہ ہاتھ خالی رہنے کے لیے

(رباعیات : ۲۳۲)

۵۲۹

یاں دھوپ بھی آ کے زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
پنکھے آہوں کے، آنسوؤں کا چھڑکاو
یاں گرم ہَوا بھی سرد ہو جاتی ہے

[رباعیات:۱۲۹]

۵۳۰

یہ اوج یہ مرتبہ[1] ہُما کو نہ مِلے
یہ دلق مرقّع امرا کو نہ مِلے
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ[2] دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ مِلے

[۱ مرتبے (نب ۳: ۱۵۵) ۲ یہ (نل ۴: ۱۷۶؛ رم ۲: ۲۸) رہ (حیات: ۳۵)]

۵۳۱

یہ بزم عزائے پسرِ زہرا‌ؓ ہے
بیٹھو بہ ادب یاں گزرِ زہرا‌ؓ ہے
چادر سے ہر اِک کے اشک کرتی ہیں پاک
ہر چشم کے اوپر نظرِ زہرا‌ؓ ہے

[رباعیات: ۱۲۱]

۵۳۲

یہ حرص جو لے کے جا بجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

[رباعیات: ۲۰۶؛ رم: ۷۱]

۵۳۳

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی
مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو[1] انیس کیا جوانی کے لیے
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

[[1] کیا انیس (نل ہ: ۳۲۴) غلط ہے۔ انیس کیا (رم:) ۹۴؛ حیات: ۱۳۷]

ضمیمہ

(الف)

(۵۳۴)

اکبر نے جو گھر موت کا آباد کیا
صغرا کو دمِ نزع بہت یاد کیا
لاشے پہ کمر پکڑ کے کہتے تھے حسینؑ
تم نے علی اکبر ہمیں برباد کیا

[باقیات: ۱۳۱]

(۵۳۵)

بے دینوں کو مرتضیٰ نے ایماں بخشا

دینداروں کو جنّت کا گلستاں بخشا

بخشش کا ہے خاتمہ کہ خاتم دے کر

درویش کو رتبۂ سلیماں بخشا

[باقیات: ۱۳۱]

۵۳۶

بے گور و کفن باپ کا لاشا دیکھا

پردیس میں مادر کا رنڈاپا دیکھا

زنداں میں[1] جفائے خار و طوق و زنجیر

عابد نے پدر کے بعد کیا کیا دیکھا

[باقیات: ۱۳۱]

[1] از زنداں میں خار زار، بے معنی ہے۔ میرے خیال میں صحیح "زندان و جفائے خار... الم ہے۔ ع ج ز]

(۵۳۷)

جو مرتبہ احمدؐ کے وصی کا دیکھا
ہم نے نہیں رُتبہ یہ کِسی کا دیکھا
کہتے ہیں نبیؐ جب ہوئی معراج مجھے
پہنچا جو وہاں، ہاتھ علیؑ کا دیکھا

[باقیات: ۱۳۱]

(۵۳۸)

شبیرؑ کا غم یہ جس کے دل پر ہوگا
آنسو جو گِرے گا شکلِ گوہر ہوگا
پوچھے گا خدا جب[۱] ایسے دُر کی قیمت
تب حشر میں جوہری پیمبرؐ ہوگا

[ا صل میں 'جو' ہے لیکن یہ 'جب' کا محل ہے (باقیات: ۱۳۱)]

(۵۳۹)

کیا پانچ ہوے خدا کے مظہر پیدا
تا حشر نہ ہوں گے جن کے ہم سر پیدا
حیرت ہے مجھے کہ حیف ایسوں کے لیے
اندوہ و الم تھے، زہر و خنجر پیدا

[باقیات: ۱۳۱]

(۵۴۰)

کیا جوش و خروش سے محرّم آیا
جو خانہ بخانہ دینے یہ غم آیا
تم قدر کرو کچھ اس کی اہلِ ماتم
فرزندِ رسولؐ کا ہے ماتم آیا

[باقیات: ۱۳۱]

(۵۴۱)

(قطعہ)

محرّم آیا، الم کا پیام آپہنچا

مقامِ قتل پہ اپنے امام آپہنچا

بہاؤ چشم سے تم اشک، اے عزادارو!

غمِ حسین علیہ السّلام آپہنچا

[باقیات: ۱۳۱]

(۵۴۲)

نیزہ شبّیر کو شقی نے مارا

اور تیرِ سہ پہلو بھی کسی نے مارا

جب شمر کو دیکھتی سکینہ، کہتی

ہائے مِرے بابا کو اِسی نے مارا

[باقیات: ۱۳۲] [رباعی کے مروّجہ اوزان میں نہیں ہے]

(۵۴۳)

کیا پیاس میں تھے محوِ عبادت شبّیر
سینے پہ تو قاتل تھا گلے پر شمشیر
نکلا نہ لہو خشک تھا یہ حلقِ حسینؑ
جاری تھی مگر خون کے بدلے تکبیر

[رباعیات: ۱۳۲]

(۵۴۴)

ہے افسرِ دیں، تاجِ سکندر حیدرؔ
اور بعد نبیؐ سب سے ہے[1] بہتر حیدرؔ
ہے تجھ سے دعا مری یہ اے ربِّ غفور!
جاری ہو مری زباں پہ حیدر حیدرؔ

[1] اصل میں "ہیں"، رباقیات: ۳۲]

(۵۴۵)

جب لوح و قلم ہوئے قرانُ السّعدین
فرمانے لگے یہ[1] اُن سے ربِّ کونین
تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا
ہیں[1] احمدؐ و حیدرؑ و بتولؑ و حسنینؑ

[1 اصل میں وہ کا اضافہ ہے [باقیات: ۱۳۲]

(۵۴۶)

دولت سے نہ کچھ لُطف و مزہ پاتے ہیں
کھانے میں فقط چرخ کا غم کھاتے ہیں
دُنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیسؔ
مہمانِ اجل آئے تو مر جاتے ہیں

[باقیات: ۱۳۲]

(۵۴۷)

عشرے سے دلوں پر رنج و غم چھائے ہیں
کی ہیں [جو]ؔ ریاضتیں تو پھل پائے ہیں
اللہ جزائے خیر دے مردم کو
تکلیف اُٹھا کے دُور سے آئے ہیں

[ؔ اصل میں "جو" ندارد ہے لیکن اس کے بغیر مصرع موزوں نہیں ہوتا۔ (رباقیات: ۱۳۲)]

(۵۴۸)

کیا کیا نہ ستم اہلِ جفا کرتے ہیں
شبّیر مگر شُکرِ خدا کرتے ہیں
پھرتیؔ ہے گلے پہ تیغ، لب پر نہیں آہ
یوں وعدۂ طفلی کو ادا کرتے ہیں

[ؔ اصل میں "پھرتا" جو غلط ہے۔ (رباقیات: ۱۳۳)]

(۵۴۹)

اکبرؔ کہتے تھے "باباکیوں روتے ہو؟
اس فدوی کے غم میں جان کیوں کھوتے ہو؟"
فرماتے تھے شہ "رونے کی جا ہے اکبرؔ
اٹھارہ برس بعد جُدا[۱] ہوتے ہو"

[۱ اصل میں "جدا کیوں ہوتے ہو" جو نادرست ہے۔]

(۵۵۰)

آیا ہے محرّم آہ و زاری کرلو
شبّیرؔ کے غم میں بیقراری کرلو
ازبسکہ کیے ہیں سیکڑوں تم نے گُناہ
لو مُفت ہی رو کے رستگاری کرلو

[باقیات: ۱۳۳]

(۵۵۱)

عقبیٰ کے ہر اک کام سے ناکام ہے تو
اِس وقت میں بھی طالبِ آرام ہے تو
اے وائے انیسؔ پختہ کاری تیری
سب بال تو پک گئے مگر خام ہے تو

[باقیات:۱۳۲]

(۵۵۲)

آتا ہے جو خلق میں محرم تازہ
ہوتا ہے حسینؑ کا یہ کیوں غم تازہ
مارا ہے گیا شفیعِ محشر کا خلف؟
تا روزِ جزا رہے گا ماتم تازہ

[باقیات:۱۳۳]

(۵۵۳)

اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی مَل جاتا ہے
شیعوں کے تو قلب ہیں کہیں موم سے نرم
پتّھر کا جِگر ہو تو پگھل جاتا ہے

[باقیات: ۱۳۵]

(۵۵۴)

اِک آن نہیں حق سے جُدا حیدرؑ ہے
حق کا کرم و لُطف و عطا حیدرؑ ہے
حُور و غلماں ملائک و جِنّ و بَشر
سب جانتے ہیں عقدہ کشا حیدرؑ ہے

[باقیات: ۱۳۶]

(۵۵۵)

بے کار نہیں ہے آہ و زاری ایسی
ہے عینِ قرار بے قراری ایسی
اشکوں میں جو آب ہے تمھارے یارو
گوہر میں کہاں ہے آبداری ایسی؟

[باقیات: ۱۳۴]

(۵۵۶)

پیری سے خاک مہربانی نہ ہوئی
وقتِ آخر بھی کامرانی نہ ہوئی
یوں توڑتا دم کہ دیکھنے آتے لوگ
افسوس ہے اس وقت جوانی نہ ہوئی

[باقیات: ۱۳۳]

(۵۵۷)

تدبیر کرو اشکوں سے مُنہ دھونے کی
اُمید نہیں اگلے برس ہونے کی
اے مومنو! افسوس کہ خاموش ہو تم
ہر سمت سے آتی ہے صدا رونے کی

[باقیات: ۱۳۳۰]

(۵۵۸)

رسّی میں گلا علیؑ کی جائی کا ہے
اب تک نہیں طور کچھ رہائی کا ہے
گھبرا کے یہ کہتی تھی کہ کب چھوٹیں گے
چہلم نزدیک میرے بھائی کا ہے

[لے اصل میں دکم، غلط ہے (باقیات: ۱۳۴) قیاساً تصیح کی گئی]

(۵۵۹)

رونے کے لیے روحِ رسولؐ آتی ہے
کونین کی دولت ہمیں مل جاتی ہے
شیعہ کرتے ہیں جب دُعائیں مل کر
آمین، آمیں، بتولؑ فرماتی ہے[1]

[1 اصل میں 'ہیں' غلط (باقیات: ۱۳۴)]

(۵۶۰)

زہراؑ سے کوئی غمِ پیمبرؐ پوچھے
زینبؑ سے کوئی فراقِ حیدرؑ پوچھے
پوچھے کوئی سجادؑ سے شبیرؑ کا غم
بانوؑ کے جگر سے داغِ اکبرؑ پوچھے

[باقیات: ۱۳۵]

(۵۶۱)

زینبؑ نے کہا بھائی سے میں چھوٹ گئی
پردیس میں تقدیر مجھے لوٹ گئی
فرزندوں کے مرنے کا نہ غم تھا مجھ کو
پر بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی

[باقیات: ۱۳۴]

(۵۶۲)

عابد کی تمام عمر زاری نہ گئی
پوشاکِ عزا تن سے اُتاری نہ گئی
خواب و آرام و صبر و تاب و طاقت
یہ سب گئے اور بے قراری نہ گئی

(۵۶۳)

عصیاں[1] بالکل ثواب ہو جاتا ہے
پرسش سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے
بنتی ہے شراب نو نجف میں سرکہ
جو زائرِ بو تراب ہو جاتا ہے

[1 اصل میں 'عیاں' جو غلط ہے۔ (باقیات: ۱۳۶)]

(۵۶۴)

کیا بزم ہے کیا آہ و بُکا ہر سُو ہے
ایک ایک عزادار شہِ خوشخُو ہے
یارب یہ رہے باغ خزاں سے محفوظ
جب تک کہ چمن میں گُل ہے گُل میں بُو ہے

[باقیات: ۱۳۵]

(۵۶۵)

کیا دخل ہے سخن کوئی فلک پر پہنچے
نہ آہِ غریب و نہ تونگر پہنچے
جب صلِّ علیٰ نبی و آلہ کہیے
توعرش تلکؔ دعا کا لشکر پہنچے

[ؔ اصل میں ''تک'' جو غلط ہے (باقیات: ۱۳۶]

(۵۶۶)

کیونکر نہ سحاب جوشِ غم سے برسے
کیوں برق گرے نہ اوجِ گردوں پر سے
کیوں رعد کرے نہ شور و فریاد و فغاں
پانی کو جو ابنِ میرِ کوثر ترسے

[باقیات: ۱۳۵]

(۵۶۷)

گر سبطِ نبیؐ کی مہربانی ہو جائے
مُردوں کی لحد میں زندگانی ہو جائے
ڈرتے نہیں[1] دوزخ سے محبّانِ حسینؑ
سایہ ڈالیں تو آگ پانی ہو جائے

[1 اصل میں 'ہیں'، جو غلط ہے۔ (باقیات: ۱۳۵)]

(۵۶۸)

مولا مرے مقتل کے قریںؔ آ پہنچے
جنگل کی طرف عرش مکیں آ پہنچے
اے مومنو، مشغولِ بُکا ہو شب و روز
ایّامِ عزائے شہِ دیں آ پہنچے

[لہ اصل میں "قریب" غلط۔ د باقیات: ۱۳۶]

(۵۶۹)

مہمان کی عزّت میں بڑی عزّت ہے
ہر اک دانے میں خُلد کی نعمت ہے
ہے پیشِ خُدا جلیل وہ مثلِ خلیل
کیا عزّت و توقیر ہے کیا عظمت ہے
[باقیات: ۱۳۵]

(۵۷۰)

یکبار درود جو نبیؐ پر بھیجے
حسنینؑ و بتولؑ اور علیؑ پر بھیجے
ادنا ہو بشر پہ[1] پاوے رتبہ[2] اعلا
دس بار درود حق اُسی پر بھیجے

[باقیات: ۱۳۶) [1] اصل میں 'یہ' اور [2] 'رتبہ' ہیں۔ دونوں غلط ہیں۔]

(ب)

(۵۷۱)

ٹھوکر بھی نہ ماریں گے اگر خود سر ہے
زردار کو بھی فروتنی بہتر ہے
ہے میوۂ نخلِ قدِ انساں تسلیم
جُھکتی ہے وہی شاخ جو بار آور ہے

(رن : ۵۲)

(۵۷۲)

جو چشم غمِ شہ میں سدا روتی ہے
ہر لمحہ فزوں اس میں ضیا ہوتی ہے
اشکِ غمِ شبیر کا رتبہ دیکھو
یاں اشک کا قطرہ ہے وہاں موتی ہے

(رن: ۸۸)

(۵۷۳)

دل نے غمِ بے حساب کیا کیا دیکھا
آنکھوں سے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھا
طفلی و شباب و عیش و رنج و راحت
اس عمر نے انقلاب کیا کیا دیکھا

(رن: ۱۶)

(۵۷۴)

غفلت میں نہ کھو عمر کہ پچھتائے گا
رونا ہی غمِ شاہ میں کام آئے گا
اسبابِ تعلق سے نہ بھر دل اپنا
چلتے ہوئے سب کچھ یہیں رہ جائے گا

(رن: ۸۶)

(۵۷۵)

کچھ ملکِ عدم میں رنج کا نام نہ تھا
معلوم ہمیں اپنا سرانجام نہ تھا
آئے جو یہاں تو بس ہُوا یہ ثابت
اک موت سے ملنا تھا کوئی کام نہ تھا

(رن: ۳۲)

(۵۷۶)

دل غم سے محبوں کے بھرے رہتے ہیں
ہاتھ اپنے کلیجے پہ دھرے رہتے ہیں
ہر دم حسنِ سبز قبا کے غم میں
زخمِ دلِ صد چاک ہرے رہتے ہیں

(رن: ۵۳)

(۵۷۷)

دل روز بروز نا تواں رہتا ہے
مضمونِ سبک دل پہ گراں رہتا ہے
ہر آن گھلاتی ہے مجھے فکرِ سخن
تن مثلِ قلم صرف زباں رہتا ہے

(رن: ۶۶)

(۵۷۸)

شکل چمن صدق و صفا بگڑی ہے
ہے رنگ تپا بوے وفا بگڑی ہے
پھولوں سے ہے پھولوں کو دغا کا کھٹکا
کیا گلشن عالم کی ہوا بگڑی ہے

(ر ن : ۴۴)

(۵۷۹)

غفلت میں نہ کھو عمر جہاں فانی ہے
کچھ خیر تو کر لے وہی کام آتی ہے
کارِ امروز را بفردا مگزار
جو رہ گیا آج کل پشیمانی ہے

(ر ن : ۳۳)

(۵۸۰)

نخوت پہ عبث دولتِ ناپاک پہ ہے
ہے خاک تری اصل، قضا تاک پہ ہے
لے دیکھ حقیقت تری دکھلانے کو
تو تخت پہ ہے سایہ ترا خاک پہ ہے

(رن: ۵۳)

(۵۸۱)

ہر شب تکلیفِ جاں کنی ہوتی ہے
تب مدح امام مدنی ہوتی ہے
بے سوز و گداز کب سخن کو ہو فروغ
جب شمع گھُلے تو روشنی ہوتی ہے

(رن: ۹۲)

(۵۸۲)

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے
تنہا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے
کوئی نہ شریکِ حال ہوگا اپنا
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

(ج)

(۵۸۳)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو آکے نہ جائے، وہ جوانی دیکھی

(ارد ح انیس :)

اِشارات

رباعیات انیس: میر انیس : مرتبہ محمد عبّاس (نول کشور پریس لکھنؤ، ۱۹۴۴ء)

نل ۳ : مرثیہ میر انیس (جلد سوم) : (نول کشور پریس لکھنؤ، سنہ ندارد)

نل ۴ : مرثیہ میر انیس (جلد چہارم) : (" " " ، ۱۹۲۶ء)

ط ۱ : مراثیِ انیس (جلد اوّل) : مرتبہ سیّد علی حیدر نظم طباطبائی (نظامی پریس بدایوں)

ط ۲ : مراثیِ انیس (جلد دوم) : " " " (" " ")

ط ۳ : مراثیِ انیس (جلد سوم) : " " " " (" " " ۱۹۳۰ء)

نب ۱ : مراثیِ انیس (جلد اوّل) : مرتبہ نائب حسین نقوی (علمی پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۵۹ء)

نب ۲ : مراثیِ انیس (جلد دوم) : " " " (" " " ")

نب ۳ : مراثیِ انیس (جلد سوم) : " " " (" " " ")

نب ۴ : مراثیِ انیس (جلد چہارم) : " " " (" " " ")

دب ۶ : مرثیہ سلام ہائے جناب میر انیس مرحوم (جلد ششم) مطبوعہ جدید (دبدبہ احمدی پریس لکھنؤ، ۱۹۰۴ء)

بک ۵ : مراثیِ انیس (جلد پنجم) : مرتبہ مرزا احمد عبّاس (انٹرنیشنل پریس کراچی، ۱۹۶۱ء)

بک ۶ : مراثیِ انیس (جلد ششم) : " " " (" " " ")

حیات : حیاتِ انیس : امجد علی اشہری : (مطبع آگرہ اخبار، آگرہ، ۱۳۴۳ھ)

۵ا : مرثیہ ہائے میر انیس مرحوم (جلد پنجم) : (مطبوعہ عبد الحسین)

رم : رباعیات انیس : مرتبہ سید محمد حسن بلگرامی (اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء)
رد : رباعیات دبیر : مرتبہ خبیر لکھنوی (نظامی پریس لکھنؤ، سنہ ندارد)
کاشف: کاشف الحقائق : سید امداد امام اثر (کارونیشن پریس لکھنؤ سنہ ندارد)
باقیات : باقیات انیس : ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری (نامی و نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۷۹ء)
واقعات: واقعات انیس : میر مہدی حسن احسن لکھنوی (اصح المطابع لکھنؤ، سنہ ندارد)
کاشف : کاشف الحقائق - جلد دوم : امداد امام اثر (کارونیشن پریس لکھنؤ، سنہ ندارد)
شاعر : شاعر اعظم میر انیس : مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب (نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۶ء)
مم : مجموعہ مراثی میر مونس : میر نواب مونس (مطبع دیدیۂ احمدی، لکھنؤ، ۱۹۱۲ء، طبع دوم)
بس : بیاض مراثی میر انیس (مخطوطہ مسعودی، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ)
رن : رباعیات انیس : مرتبہ عالم حسین (نظامی پریس، لکھنؤ)
ری : مجموعہ رباعیات : مرتبہ سید علی حسین (یوسفی پریس دلی، ۱۹۰۱ء)

ادبیات

نمبر شمار		مصنف/مترجم	قیمت
۱-	انیس کے سلام	مرتبہ: علی جواد زیدی	۱۳-۵۰
۲-	انیس کے مرثیے (حصہ اول)	" "": صالحہ عابد حسین	۲۰-۰۰
۳-	" " (حصہ دوم)	" "": " "	۳۸-۰۰
۴-	پھول بن (دوسرا ایڈیشن)	ابن نشاطی/ مرتبہ: محمد اکبر الدین صدیقی	۸-۰۰
۵-	حیات جاوید (دوسرا ایڈیشن)	الطاف حسین حالی	۳۰-۰۰
۶-	دکنی نثر کا انتخاب	مرتبہ: سیدہ جعفر	۱۲-۵۰
۷-	دکنی ہندو اور اردو	نصیر الدین ہاشمی	۱۵-۵۰
۸-	دکن کی قدیم تاریخ	مرتب: پروفیسر غلام یزدانی ایم۔اے	۴۹-۰۰
۹-	دیوان حسرت عظیم آبادی	مرتبہ: اسما سعیدی	۱۸-۰۰
۱۰-	شعریات (دوسرا ایڈیشن)	ارسطو/ شمس الرحمٰن فاروقی	۵-۲۵
۱۱-	کاشف الحقائق۔ سید امداد امام اثر	مرتبہ: وہاب اشرفی	۴۲-۵۰
۱۲-	کلیات سراج	سراج اورنگ آبادی	۴۴-۰۰
۱۳-	کلیات سراج (ڈی لکس)	" " "	۴۸-۰۰
۱۴-	کلیات قلی قطب شاہ	ڈاکٹر سیدہ جعفر	۵۲-۰۰
۱۵-	کلیات میر	ظل عباس عباسی	۵۲-۰۰

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:-
شعبۂ فروخت و نمائش
ترقی اردو بیورو
ویسٹ بلاک ۸، آر۔ کے۔ پورم
نئی دہلی ۱۱۰۰۶۶